احمدیت اور اس کے عقائد

؎ قوم کے لوگو! اِدھر آؤ کہ نکلا آفتاب
وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

اسلام و احمدیت اس زندہ اور کامل یقین کا نام ہے جو انسان کا منتہائے مقصد ہے وہ یقین انسان میں ایک پاک تبدیلی پیدا کر کے اس کے سفلی خیالات اور ناپاک جذبات کو بھسم کر کے اس کو آسمانی اور روحانی وجود بخشتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خالص توحید، ملائکہ، کتب آسمانی، رسل ربانی، قیامت، حشر و نشر اور سب ایمانیات کے ماننے کا نام احمدیت ہے۔ گویا آج احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ مسلمان کہلانے والے اسلام کے مغز سے بے بہرہ تھے۔ عالم باہم دست و گریباں ہو رہے تھے۔ امراء عیش پرستی میں منہمک تھے۔ اسلام ان کی زبانوں پر تھا مگر دل ایمان سے خالی تھے۔ وہ اسلام کے دعویدار تھے مگر اسلام کو ان کے نام سے عار تھی۔ وہ بعض اسلامی اعمال بجالاتے تھے مگر نورانیت سے خالی تھے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں ؎

رہ گئی رسم اذاں شانِ بلالی نہ رہی ÷ رہ گیا فلسفہ تلقینِ غزالی نہ رہی

اس تمام معکوس حالت کا موجب یہی تھا کہ ان کے عقائد خراب ہو چکے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید سے غافل اور اس کے سب سے بڑے اور پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے بے خبر تھے۔ انہوں نے نصاریٰ کی اتباع میں حضرت مسیح علیہ السلام

کے متعلق غلو سے کام لیا اور اسی کو جو "رَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ" تھا اُمّتِ محمدیہ کا نجات دہندہ یقین کر رکھا تھا ان کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے کوئی اس قابل نہ ہو سکتا تھا جو اس قوم کی بگڑی بنا دے۔ لوگ انہی خیالات میں غرق تھے کہ ناگہاں صدی کے سر پر مجدّد صدی چہاردہم نبی اللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تجدید دین کے لئے مبعوث ہوئے اور آپؑ نے صحیح طور پر اسلامی عظمت کو قائم کیا۔ اگرچہ دوسرے فرقوں سے ہمارا عملاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں کوئی اختلاف نہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان اعمال کا سرچشمہ جو بصیرت ہونی چاہیئے وہ ان میں نہیں ہے اور خدا کے زندہ معجزات نے ہم میں پیدا کر دی ہے۔ ایسا ہی ان اعمال کے نتیجہ میں جو روحانیت، اخلوص، اور اللہ تعالیٰ سے شرفِ مکالمہ و مخاطبہ حاصل ہونا چاہیئے وہ بھی آج احمدیت کا ہی طغرائے امتیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہم ان مسلمانوں کے مقابلہ میں ابھی تک بہت ہی قلیل التعداد ہیں مگر ہم دنیا میں جس سرفروشی سے اسلامی فتوحات کے لئے کوشاں ہیں اور مال، عزّت، وطن اور جان کی قربانی سے اس کا ثبوت دے رہے ہیں وہ ایک امتیازی شان ہے جس کا اپنے و بیگانے سب اعتراف کرتے ہیں۔ اس رُوح کے علاوہ بلحاظ عقیدہ ہمارا تین عقائد میں ان سے اختلاف ہے۔ (۱) وہ حضرت مسیحؑ کو بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ مانتے ہیں۔ ہم آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں ان کو جملہ انبیاء کی طرح فوت شدہ یقین کرتے ہیں۔ (۲) وہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تشریعی و غیر تشریعی نبوت بند ہے اور اُمّت کے لوگ اس نعمت سے کچھ بھی حصہ نہیں پا سکتے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ بلاشبہ تشریعی نبوت بند ہے۔ ایسا نبی کوئی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے بہرہ ور نہ ہو۔ ہاں ایسے نبی آسکتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے ماتحت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع سے یہ انعام پانے والے ہوں کیونکہ ایسے انبیاء کا آنا اسلام کی شان کو بلند کرنے کا موجب ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا ہمارے نزدیک صرف اُمّتی نبی آسکتا ہے۔ (۳) وہ کہتے ہیں کہ آنے والا موعود اُمّتِ محمدیہ کا مصلح جسم سمیت آسمان سے اُترے گا اور وہ خود حضرت مسیحؑ

ہوں گے۔ ہمارا یقین ہے کہ آنے والا موعود آ چکا اور وہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے وجودِ باجود میں ظاہر ہو گیا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو آپؑ کو قبول کریں۔

ان ہر سہ مسائل پر اختصار سے اصولی دلائل درج ذیل ہیں نیز مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی شامل ہیں۔

مبحثِ اوّل۔ وفاتِ مسیحؑ

اسلام کی زندگی مسیح ناصریؑ کی موت میں ہے

موجودہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجودِ عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور کسی نامعلوم زمانہ میں آپ ہی دوبارہ تشریف لا کر تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوں گے۔ اور اسی خیال کی وجہ سے یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے برگشتہ ہیں۔

آج سے قریباً دو ہزار برس پیشتر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر یہود نے یہی عذر کیا اور کہا کہ پہلے ایلیاہ کا آسمان سے آترنا ضروری ہے۔ گو یہ سچ ہے کہ یہود کی الہامی کتاب ۲ سلاطین ۲/۱۱ میں صاف لکھا ہے :-

"اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا"

اور پھر ملاکی ۴/۵ میں ان کی دوبارہ آمد کو یوں ذکر فرمایا ہے :-

"دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا"

مگر حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰؑ کے متعلق فرمادیا کہ :-

"ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے۔ جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے" (متی ۱۱/۱۴)

گویا حضرت مسیحؑ کے نزدیک کسی نبی کا بجسدہ العنصری آسمان پر جانا اور پھر اترنا ایک فضول اور خلافِ سنت اللہ کام ہے کیونکہ ربّ السموات والارض نے آدم اور اس کی ذریت کے لئے ازل سے فرما دیا ہے فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (اعراف ع ۲)

کہ ان کا مقر اور ٹھکانا، زندگی اور موت بہر صورت کرۂ ارض ہی میں ہے۔ پس اے بھائیو! کیونکر ممکن ہے کہ وہ مسیح جو ایلیاہ کی دوبارہ آمد کو محال بتا کر یہود کو ملزم قرار دے گیا اب خود ہی دوبارہ خاکی جسم کے ساتھ آسمان سے اُتر آوے۔ کیا یہود آپ کے پہلے فیصلہ کے برخلاف آپ کا اپنا عمل (دوبارہ آمد) پیش نہ کر دیں گے؟

ہمارے نزدیک اگر کوئی نبی یا رسول زندہ رکھا جاتا تو وہ کیا باعتبار اپنے ذاتی صفات کے اور کیا بلحاظ اپنے کارہائے نمایاں کے صرف اور صرف ہمارے سیّد و آقا حضرت محمد عربی تھے صلی اللہ علیہ وسلم ؎

دُنیا گر کسے پائندہ بودے ÷ ابو القاسم محمدؐ زندہ بودے

چنانچہ خدائے پاک نے بھی فرمایا۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (انبیاء ع) اے رسول! تجھ سے پہلے کوئی اب تک زندہ، ایک حالت پر قائم رہنے والا، نہیں رہا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ زندہ رہنے والے ہوں اور تو فوت ہو جائے؟

لیکن افسوس کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ منورہ میں زمین کے نیچے مدفون ہیں مگر مسیح ناصری چوتھے آسمان پر زندہ۔ یا للعجب ؎

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں پر ÷ مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

دُنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس پر مصائب اور مشکلات نہ آئے ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ کو دشمنوں نے آگ میں ڈالا اور حضرت یوسفؑ کو کئی برس تک قید خانہ کی تاریک کوٹھڑی میں رہنا پڑا۔ حضرت موسیٰؑ کو مُلک بدر ہونا پڑا۔ پھر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفوں کے منصوبوں سے تنگ آ کر اپنا وطنِ مالوف چھوڑنا پڑا اور آپؐ غاروں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ آپؐ کبھی ٹخنوں تک لہولہان ہوئے اور کبھی اُحد کے مقام پر بے ہوش گرے۔ اور آپؐ کا سرِ مبارک خون آلودہ اور دانت شہید ہو گئے۔ غرض کوئی نبی بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا کہ اپنے محبوب کے نام پر ستایا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کسی کو آسمان پر نہ لے گیا۔ بلکہ زمین پر ہی رکھ کر ان کو تکالیف کا نشانہ بننے دیا۔ اب ہم کیونکر مانیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے

حضرت عیسٰیؑ کے ساتھ تمام انبیاء سے نرالا اور خلافِ سُنّت معاملہ اور سلوک کیا اور دشمنوں کی اُن تک رسائی نہ ہونے دی؟ کیا اِس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰؑ سے زیادہ پیار ہے اور باقی انبیاء اور خصوصاً سرورِ کائناتؐ سے کم؟ نعوذ باللہ۔

آج حیاتِ مسیح کا عقیدہ اسلام کے لئے ایک تباہ کُن عقیدہ ہے جس کی مدد سے نصاریٰ آج تک لکھوکھا مسلمانوں کو اسلام سے بیزار اور عیسائیت کا حلقہ بگوش کر چکے ہیں۔ اے کاش! آپ غور کریں اور اس کھلی صداقت کو مان لیں کہ حضرت عیسیٰ دیگر انبیاء کی طرح اسی خاکی زمین میں مدفون ہیں تا کہ عیسائیت مغلوب اور اسلام غالب ہو۔ اور آپ مُردہ پرستوں کے مؤیّد نہ بنیں کیونکہ مسیح کی جسمانی زندگی کا اعتقاد عیسائیت کے لئے گونہ سہارا ہے سہ

ہم عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند ÷ دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میّت را

قرآن مجید اور آنحضرتؐ کی احادیثِ صحیحہ میں کسی جگہ بھی اِس عقیدہ کا نشان نہیں پایا جاتا کہ حضرت مسیح زندہ اسی جسمِ خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے گئے ہم چیلنج دیتے ہیں کہ اگر کہیں ایسا ثبوت ہے تو دکھلایا جائے۔ لیکن خدا کے فضل سے مشرق و مغرب کے علماء بھی اس مدعا میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر نہایت صراحت کے ساتھ وفاتِ عیسیٰؑ کو بیان فرمایا ہے جن میں سے ایک واضح اور صریح بیان سورۃ المائدہ کے آخری رکوع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ (مائدہ ع۱۶) فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ سے سوال ہو گا کہ کیا عقیدۂ تثلیث کی ان لوگوں کو تم نے تعلیم دی تھی؟ حضرت عیسیٰؑ اِس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے اپنی بریّت میں آخر یہ فرمائیں گے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ کہ میرا یہ تعلیم دینا تو درکنار میری زندگی اور موجودگی میں بھی ان میں یہ عقیدہ نہیں پھیلا کیونکہ اپنی حیات تک میں ان کا نگران تھا۔

"جب تُو نے میری توفی (رُوح قبض) کر لی تو تُو ہی نگران تھا" حضرت عیسیٰؑ اپنے اِس جواب میں جہاں عقیدۂ تثلیث کے نصاریٰ میں پھیلنے سے لاعلمی کا اقرار کرتے ہیں ـــ وہاں پر وہ اِس امر کی بھی پُرزور شہادت دیتے ہیں کہ میری زندگی میں یہ گمراہ کن عقیدہ پیدا نہیں ہُوا تھا بلکہ میری توفّی کے بعد یہ سب کچھ ہُوا ہے۔ اب اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں اور وہ آکر لوگوں کو جبراً مسلمان بنائیں گے، اور صلیبوں کو شکستہ اور نصاریٰ کو تہ تیغ کریں گے تو کیا وہ قیامت کو محض انکار میں جواب دیکر (نعوذ باللہ) جھوٹ بولیں گے؟ ہرگز نہیں کیونکہ جھوٹ اور خلافِ واقعہ بیان ایک نبی تو کیا ایک مومن کی شان سے بھی بعید ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت زندہ نہیں۔ یا بالفرض اگر زندہ ہیں تو وہ دوبارہ ہرگز نہیں آئیں گے۔ کیونکہ دوبارہ آنے پر جب وہ عیسائیوں کو بگڑا ہوا، توحید سے منحرف، تثلیث پر قائم دیکھ لیں گے تو پھر کیونکر رب السمٰوات کے حضور کہہ سکیں گے کہ مجھے علم نہیں؟ پھر حضرت عیسیٰؑ نے عقیدۂ تثلیث کی ایجاد اپنی **توفی** کے بعد بتائی ہے اور اس وقت بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے جلد بعد ہی نصاریٰ نے یہ عقیدہ گھڑ لیا۔ اسی لئے قرآن پاک نے فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (مائدہ ع) کہ نصاریٰ جو تثلیث کے قائل ہیں وہ خدا کے نافرمان ہیں۔" لہٰذا ثابت ہُوا کہ نزولِ قرآن کے وقت بہرحال حضرت عیسیٰؑ کی توفی ہو چکی تھی۔ اگر یہ سوال ہو کہ توفی کے کیا معنی ہیں؟ تو یاد رہے کہ قرآن کریم اور احادیث اور عربی نظم و نثر میں جہاں کہیں یہ لفظ اپنی اس نوعیت میں استعمال ہُوا ہے وہاں پر صرف قبض روح کے معنی میں نہ قبض جسم کے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ (بخاری کتاب التفسیر باب ماجعل اللہ من بحیرۃ) کہ توفی کے معنے موت ہیں۔ پھر لغت کی کتاب میں لکھا ہے اَلتَّوَفِّيْ: اَلْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاةِ، تُوُفِّيَ عَلٰى مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ لَا يَتَوَفّٰى نَفْسَهٗ فَالْمُتَوَفِّيْ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوْ اَحَدٌ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ وَزَيْدٌ هُوَ الْمُتَوَفّٰى (کلیات ابی البقاء ص۱۲۹) کہ توفی کا مادہ وفات ہے، تُوُفِّيَ فعل مجہول استعمال ہوتا ہے اور انسانوں کی توفّی کا فاعل اللہ یا کوئی فرشتہ ہوتا ہے کیونکہ کوئی انسان اپنی توفی نہیں کیا کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ توفّی کرنے والا ہے اور انسان مُتَوَفّٰی ہوتا ہے۔ خاص مذکورہ

آیت کے متعلق تو آنحضرتؐ نے بھی فیصلہ فرما دیا کہ اس جگہ بہر حال توفّی بمعنی قبض روح ہے۔
قیامت کے دن آنحضرتؐ اپنے بعض صحابہ کو دوزخ کی طرف جاتے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو
میرے صحابہ ہیں تو جواب ملے گا کہ تجھے کیا معلوم کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا؟ آپؐ فرماتے
ہیں فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ
فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ (بخاری کتاب التفسیر جلد ۲ مطبوعہ مصر)
کہ تب میں اسی معنی میں اپنی توفّی کا اقرار کروں گا جس معنی میں حضرت عیسیٰؑ نے کیا ہے۔ گویا حضرت
عیسیٰؑ کی توفی نبی کریمؐ کی توفی کے ہم معنی ہے اور وہ موت ہے۔ پس حضرت عیسےٰؑ کی
توفی کے معنے بھی موت ہی ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں اور قرآن مجید
آپ کی وفات پر شاہد ہے ؎

مارتا ہے اس کو فرقاں سر بسر ✿ اس کے مر جانے کی دیتا ہے خبر

آج قریباً چالیس برس ہوتے ہیں[1] کہ حضرت مسیح موعودؑ نے توفّی کے متعلق حسب ذیل
اشتہار دے رکھا ہے کہ:۔

"اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے یا اشعار و قصائد نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے
کہ کسی جگہ توفّی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح
کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی
اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے
تو میں اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا
کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا اور آئندہ
اس کی کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کر لوں گا۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۲۷۵ بار دوم)

مگر کسی نے آج تک کوئی حوالہ نہیں دکھایا۔ یہ چیلنج ہمیشہ تک قائم ہے۔ اگر کسی میں ہمت ہے

---

[1] اب طبع ثانی کے وقت اس چیلنج پر قریباً پون صدی بیت گئی ہے مگر کوئی شخص اسے منظور نہیں کر سکا۔ (مؤلف)

تو وہ اِس کی ایک نظیر ہی دکھلا دے جہاں بلا قرینہ صارفہ توفّی قبضِ روح کے معنوں کے بغیر کسی اور معنے یعنی جسم سمیت اٹھانے کے معنوں میں استعمال ہُوا ہو۔

پس اے بھائیو! حضرت عیسیٰؑ کو فوت ہونے دو تا اسلام زندہ ہو اور عیسائیت مٹے۔

وفاتِ مسیحؑ اور قرآن مجید کا ناطق فیصلہ

اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ فیج اعوج میں بعض لوگ حضرت مسیحؑ کی شان میں بہت غلو کریں گے حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والے بھی سید الرسلؐ کی وفات کا اقرار تو کھلے بندوں کریں گے لیکن حضرت مسیحؑ کی موت کے قائل کو گردن زدنی قرار دیں گے۔ اسلیئے اس نے قرآن پاک میں جس وضاحت سے حضرت مسیحؑ کی موت کا اعلان کیا ہے، ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اور کسی نبی کی وفات کا ذکر اس رنگ میں نہیں فرمایا۔ حیاتِ مسیحؑ کے قائلین کا اعتقاد ہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر تشریف رکھتے ہیں اور وہ کسی نامعلوم وقت پر اپنے عہدہ رَسُولاً اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ کے خلاف اُمتِ محمدیہ میں نزول فرما ہوں گے۔ اس خیال کی بنیاد کہاں تک قرآن مجید پر ہے؟ اس کے لئے ہم چیلنج دیتے ہیں کہ کوئی شخص قرآن مجید سے حضرت مسیحؑ کے لئے "زندہ" "بجسدہ العنصری" یا کم از کم آسمان کا لفظ ہی دکھلا دے لیکن ع

این خیال است و محال است و جنوں

حضرت مسیحؑ جملہ انبیاءؑ کی طرح اس دارِ فانی سے چل بسے اور قرآن پاک ان کی وفات پر شاہد ہے۔ حضرت مسیحؑ کی تین حیثیتیں ہیں۔ (۱) انسانوں میں سے ایک انسان (۲) نبیوں میں سے ایک نبی (۳) دنیا کے مصنوعی خداؤں میں سے ایک خدا۔ قرآن کریم نے ہر حیثیت سے آپ کی موت کا عام اعلان کر دیا ہے۔

پہلی حیثیت اور وفاتِ مسیحؑ

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لئے قانون بیان فرمایا ہے۔ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (اعراف ع۲) کہ تم کرۂ ارضی میں زندہ رہو گے، اسی میں مرو گے، اسی سے پھر اُٹھائے جاؤ گے۔ یعنی ہر حال زندگی، موت اور حشر میں تم اسی خاکی کرہ میں رہو گے۔ دوسری جگہ فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا (المرسلات ع۱) کیا ہم نے زمین

زندوں اور مردوں کے سمیٹنے کے لئے کافی نہیں بنائی ؟

(۲) تمام آدمزادوں کے لئے فرمایا۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰىٓ اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْــًٔا (النحل ع) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ (الروم ع) کہ بعض تم میں سے جلد فوت کر لئے جاتے ہیں اور بعض کو ارذل العمر تک پہنچایا جاتا ہے۔ انجام کار ان کا علم جہل سے بدل جاتا ہے۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا اور پھر اس ضعف کے بعد قوت دی۔ اور پھر قوت کے بعد بھی ضعف اور بڑھاپا اسی نے مقرر کیا ہے۔ جیسا چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ علیم و قدیر ہے۔"

گویا بتلایا کہ انسانی جسم کبھی بھی گردشِ ایام سے محفوظ و مصئون نہیں رہ سکتا۔ وہ ہمیشہ تغیر پذیر رہتا ہے۔

اب ان دونوں قانونوں کے رُو سے حضرت مسیحؑ کیونکر آسمان پر جا سکتے ہیں ؟ اور کیونکر ایک ہی حالت پر زندہ رہ سکتے ہیں ؟ اگر وہ زندہ ہیں تو کیا وہ ابھی تک پیر فرتوت نہ ہو گئے ہوں گے ؟ اگر کہا جائے کہ ان پر کوئی تغیر نہیں ہوتا بلکہ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ کی شان انہیں حاصل ہے تو بتلایا جائے کہ خدا میں اور ان میں کیا فرق ہے ؟ اور یہ شان صرف ان کو ہی کیوں دی گئی ؟

دوسری حیثیت اور وفاتِ مسیحؑ

(۱) جملہ انبیاءؑ کے متعلق فرمایا وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (انبیاء ع) کہ ہم نے ان کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں نیز وہ بہت لمبے عرصہ تک زندہ رہنے والے نہ تھے۔

دوسری طرف حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کے متعلق فرمایا۔ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (مائدہ ع) کہ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے یعنی اب نہیں کھاتے۔

بات صاف ہے کہ اگر مسیحؑ زندہ ہوتے تو اُن کو کھانا کھانا ضروری تھا مگر چونکہ اب

وہ نہیں کھاتے اسلیئے ان کی موت بدیہی امر ہے ۔

(۲) مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ الآیۃ (مائدہ ع) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ الآیۃ (آل عمران ع)

ترجمہ ۔مسیح بن مریم ایک رسول ہیں ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو گئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں آپؐ سے پہلے کے تمام رسول فوت ہو گئے ہیں۔"

ان دونوں میں سے پہلی آیت میں حضرت مسیحؑ سے پہلے کے رسولوں کی وفات کا تذکرہ تھا، حضرت مسیحؑ باہر رہ جاتے تھے اسلیئے دوسری آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے جملہ نبیوں کی موت کا ذکر فرمایا تاکہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات بھی صراحتاً سمجھ آجائے۔

خَلَتْ کے معنی اس جگہ صرف موت ہی ہو سکتے ہیں جس میں سب نبی مساوی ہیں اور جس پر لفظ اَفَائِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ بھی بطور قرینہ مخصصہ لایا گیا ہے۔گویا خَلَتْ کی دو ہی صورتیں تھیں، موت یا قتل۔حضرت مسیحؑ قتل تو ہوئے نہیں پس ان کی طبعی موت ثابت ہے۔

(۳) جب کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ تو آسمان پر جاکر وہاں سے کتاب لے آ، تب ہم تجھے سچا رسول مان لیں گے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۔ (بنی اسرائیل ع) کہ ان کو کہدے کہ میرا رب پاک ہے میں تو ایک بشر رسول ہوں۔یعنی اللہ تعالیٰ اپنے قانون "فِيهَا تَحْيَوْنَ" کو توڑنے سے پاک ہے اور ذاتی طور پر میرے اندر طاقت نہیں۔

اب کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برخلاف اپنے وعدہ کے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر بٹھایا یا وہ بشر رسول ہو کر خود چلے گئے جبکہ سیّد الاوّلین والآخرین کے لئے یہ بات جائز نہ رکھی گئی؟ ممکن ہے کسی بھائی کو وہم گزرے کہ شب معراج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو آسمان پر گئے تھے۔ اسلیئے یاد رہے کہ قرآن پاک میں اسراء کی رات آسمان پر جانا ہرگز مذکور نہیں۔اگر ہے تو کوئی دکھلائے؟ باقی اگر کہو کہ احادیث میں ہے تو یہ صحیح ہے مگر خود بخاری شریف میں تمام واقعہ معراج کے اخیر پر لکھا ہے وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ مصر) کہ پھر آپؐ جاگ اٹھے اور

آپؐ مسجد الحرام میں ہی تھے۔" بلکہ خود قرآن کریم میں بھی اس کو ایک رؤیا قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل ع)

گویا معراج ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ پس مسیح کی مزعومہ جسمانی طویل آسمانی زندگی سے معراج کو کیا نسبت؟

تیسری حیثیت اور وفاتِ مسیح

عیسائی دنیا حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کر کے پکارتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام باطل معبودوں کے متعلق فرماتا ہے وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝ (النحل ع)

کہ جن کو لوگ اللہ کے سوا معبود کر کے پکارتے ہیں، انہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا، بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں۔ وہ فوت شدہ ہیں، زندہ نہیں۔ اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے؟ اب بھلا بتلائیے کہ ایسی صریح نص کی موجودگی میں بھی کوئی شخص حیاتِ مسیح پر مُصر رہے تو کیا وہ نصاریٰ کا مددگار نہ ہوگا؟ ؎

ہم عیسائیاں را از مقالِ خود مدد داد ÷ دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میت را

حضرت مسیح کا نام لیکر ان کی وفات

گو یہ ضروری نہیں تھا کہ اس قدر نصوص کی موجودگی میں نام لے کر وفاتِ مسیح کا ذکر کیا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مسیح کا نام لیکر بھی ان کی وفات کا ذکر کر دیا ہے۔ فرماتا ہے:-

(۱) إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ج (آل عمران ع)

ترجمہ۔ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰؑ میں تجھے وفات دوں گا پھر تیرا رفع کروں گا، اور کافروں کے الزامات سے تیری تطہیر کروں گا، اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر تا قیامت غلبہ دوں گا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح سے چار وعدے فرمائے تھے۔ اور سب سے پہلے وفات کا وعدہ ہے۔ ترتیب قرآنی اور نصِ حدیثی "اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ"

کے مطابق سب سے پہلے حضرت مسیحؑ کی موت کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر میں علامہ محمد فرید وجدی اپنی کتاب دائرۃ المعارف[1] (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) جلد ۴ صفحہ ۳۰۲ پر محققین کا قول یوں نقل کرتے ہیں:۔

"وَقَالَ اٰخَرُوْنَ بَلْ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ كَمَا يَتَوَفَّى النَّاسَ ثُمَّ رَفَعَ اِلَيْهِ رُوْحَهٗ بِدَلِيْلِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ"

ترجمہ۔ دوسروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو عام لوگوں کی طرح پہلے موت دی، بعد ازاں ان کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائی گئی۔ جیسا کہ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ سے ثابت ہے۔"

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کا قول نقل فرماتا ہے:۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ٥

(المائدہ ع ۱۶)

ترجمہ۔ کہ میں اپنی قوم کا نگران تھا (اور گواہ ہوں کہ انہوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا نہیں بنایا) جب تک میں ان میں رہا۔ پر جب تُو نے مجھے موت دیدی تو تُو ہی ان کا نگرانِ حال تھا اور تُو ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

اِس آیت میں حضرت مسیحؑ اقرار فرماتے ہیں کہ جب میری قوم (نصاریٰ) نے مجھے خدا بنایا ہے اُس وقت میری توفّی (موت) ہو چکی تھی۔ عیسائی آپ کو خدا بتاتے ہیں اسلئے آپ کی وفات بھی ثابت ہے۔ دوسری طرح یوں سمجھئے کہ حضرت مسیحؑ یا اپنی قوم میں ہیں یا ان کی توفّی ہو چکی ہے کیونکہ آیت میں حرف فاء لا کر دلالت کی گئی ہے کہ ان کی قوم سے علیحدگی کا باعث توفّی ہی تھی۔ اب یہ تو عیاں ہے کہ حضرت مسیحؑ اس وقت اپنی قوم میں نہیں اسلئے ان کے فوت شدہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

---

[1] اس کتاب کو مصر کی وزارۃ المعارف العمومیۃ اور جامعہ ازہر وغیرہ میں مستند مانا گیا ہے۔ منہ

بھائیو! نصوصِ قرآنیہ ہر رنگ میں اور ہر حیثیت سے حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں۔ ان کی موجودگی میں آپ کیوں بلا وجہ وہ عقیدہ بناتے ہیں جو نہ صرف قرآن مجید کے ہی خلاف ہے بلکہ بانیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی عظمت میں بھی فرق لانے والا ہے۔ آپ خدائے واحد کے نام پر تنہائی میں غور فرمائیں کہ کونسا عقیدہ توحیدِ کامل کا مؤید اور شانِ نبویؐ کے مطابق ہے، حیاتِ مسیحؑ یا وفاتِ مسیحؑ؟

شیخ الازہر، مفتی مصر، شیخ الاسلام علّامہ محمود شلتوتؒ کا فتویٰ

الاستاذ علّامہ محمود شلتوت کی خدمت میں حضرت مسیحؑ کی حیات و وفات کے بارے میں استفتاء پیش ہوا۔ آپ نے اِس پر اعلان فرمایا کہ قرآن مجید سے حضرت مسیحؑ کی وفات ثابت ہے۔ اِس پر بعض علماء نے اُن سے اختلاف کیا۔ بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ قرآن مجید سے وفاتِ مسیحؑ صریح طور پر ثابت ہے۔ دسمبر ۱۹۵۹ء میں علّامہ موصوف کے فتووں کا مجموعہ **مطبعۃ الازھر۔ الفتاوی** کے عنوان سے شائع ہوا اور آپ اُس وقت شیخ الازہر تھے[1]۔ ذیل میں وہ اصل فتویٰ پہلے عربی میں درج کیا جاتا ہے اور پھر اِس کا لفظ بلفظ ترجمہ بھی دیا جائے گا۔ یہ فتویٰ احمدیت کی فتحِ عظیم ہے اور غیر عرب علماء و عوام کے لئے خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ علّامہ موصوف "رفعِ عیسٰی" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں:۔

"رفع عیسٰی"

ورد إلى مشيخة الأزهر الجليلة من حضرة عبد الكريم خان بالقيادة العامة لجيوش الشرق الأوسط سؤال جاء فيه:

هل (عيسى) حي أو ميت في نظر القرآن الكريم والسنة المطهرة؟ وما حكم المسلم الذي ينكر انه حي؟ وما حكم من لا يؤمن به اذا فرض أنه عاد إلى الدنيا مرة أخرى؟

---

[1] حال ہی میں آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ (المؤلف)

وقد حول هذا السؤال إلينا فأجبنا بالفتوى التالية التى نشرتها مجلة الرسالة فى سنتها العاشرة بالعدد ٤٦٢ .

القرآن الكريم ونهاية عيسى:

أما بعد فان القرآن الكريم قد عرض لعيسى عليه السلام فيما يتصل بنهاية شانه مع قومه فى ثلاث سور:

(١) فى سورة آل عمران قوله تعالى " فلما احس عيسى منهم الكفر قال من انصارى إلى الله قال الحواريون نحن أنصار الله آمنا بالله واشهد بأنا مسلمون . ربنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين . ومكروا ومكر الله والله خير الماكرين . إذ قال الله يا عيسى إنى متوفيك ورافعك إلى و مطهرك من الذين كفروا ، وجاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا إلى يوم القيامة ، ثم إلى مرجعكم فأحكم بينكم فيما كنتم فيه تختلفون " ٥٢ — ٥٥ .

(٢) وفى سورة النساء قوله تعالى :" وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسى بن مريم رسول الله ، وما قتلوه وما صلبوه ، ولكن شبه لهم ، وان الذين اختلفوا فيه لفى شك منه ، ما لهم به من علم إلا اتباع الظن ، وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه ، وكان الله عزيزاً حكيماً " ١٥٧ — ١٥٨ .

(٣) وفى سورة المائدة قوله تعالى: واذ قال الله يا عيسى بن مريم ، أأنت قلت للناس اتخذونى وأمى إلهين من دون الله قال سبحانك ما يكون لى أن أقول ما ليس لى بحق ، ان كنت قلته فقد علمته ، تعلم ما فى نفسى ولا اعلم ما فى نفسك ، إنك أنت علام الغيوب . ما قلت لهم إلا ما أمرتنى به: أن

اعبدوا الله ربي وربكم ، وكنت عليهم شهيداً ما دمت فيهم ، فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم وأنت على كل شيئ شهيد " ١١٦-١١٧ .

هذه هى الآيات التى عرض القرآن فيها لنهاية شأن عيسى مع قومه .

والآية الاخيرة (آية المائدة) تذكر لنا شأناً أخروياً يتعلق بعبادة قومه له ولأمه فى الدنيا وقد سأله الله عنها وهى تقرر على لسان عيسى عليه السلام أنه لم يقل لهم إلا ما أمره الله به : (اعبدوا الله ربي وربكم) وأنه كان شهيداً عليهم مدة إقامته بينهم وأنه لا يعلم ما حدث منهم بعد أن (توفاه الله) .

معنى التوفى :

وكلمة (توفى) قد وردت فى القرآن كثيراً بمعنى الموت حتى صار هذا المعنى هو الغالب عليها المتبادر منها ولم تستعمل فى غير هذا المعنى إلا وبجانبها ما يصرفها عن هذا المعنى المتبادر : "قل يتوفاكم ملك الموت الذى وكل بكم (١)" ان الذين توفاهم الملئكة ظالمى أنفسهم" (٢) " ولو ترى إذ يتوفى الذين كفروا الملئكة " (٣) توفته رسلنا . ومنكم من يتوفى . حتى يتوفاهن الموت . توفنى مسلماً وألحقنى بالصالحين ".

ومن حق كلمة "توفيتنى" فى الآية أن تحمل هذا المعنى المتبادر وهو الاماتة العادية التى يعرفها الناس ويدركها

(١) الآية ١١ من السجدة . (٢) الآية ٩٧ من سورة النساء .

(٣) الآية ٥٠ من سورة الانفال .

من اللفظ و السياق الناطقين بالمضاد . و إذن فالآية لو لم يتصل بها غيرها فى تقرير نهاية عيسى مع قومه لما كان هناك مبرر للقول بأن عيسى حى لم يمت

ولا سبيل الى القول بأن الوفاة هنا مراد بها وفاة عيسى بعد نزوله من السماء بناء على زعم من يرى أنه حى فى السماء ، وأنه سينزل منها آخر الزمان، لأن الآية ظاهرة فى تحديد علاقته بقومه هو، لا بالقوم الذين يكونون فى آخر الزمان وهم قوم محمد باتفاق ، لاقوم عيسى .

معنى "رفعه الله اليه": وهل هو الى السماء؟

أما آية النساء فانها تقول " بل رفعه الله اليه" وقد فسرها بعض المفسرين بل جمهورهم بالرفع إلى السماء، و يقولون : ان الله ألقى على غيره شبهه . ورفعه بجسده إلى السماء فهو حى فيها و سينزل منها آخر الزمان ، فيقتل الخنزير ويكسر الصليب ، و يعتمدون فى ذلك-

أولا : على روايات تفيد نزول عيسى بعد الدجال ، و هى روايات مضطربة مختلفة فى ألفاظها و معانيها اختلافاً لا مجال معه للجمع بينها ، و قد نص على ذلك علماء الحديث و هى فوق ذلك من رواية وهب بن منبه وكعب الأحبار وهما من أهل الكتاب الذين اعتنقوا الاسلام وقد عرفت درجتهما فى الحديث عند علماء الجرح و التعديل:

ثانيا : على حديث مروى عن أبى هريرة اقتصر فيه على الاخبار بنزول عيسى و إذا صح هذا الحديث فهو حديث آحاد-

وقد أُجمع العلماء على أن أحاديث الاحاد لاتفيد عقيدة ولا يصح الاعتماد عليها فى شأن المغيبات:

ثالثاً: على ما جاء فى حديث المعراج من أن محمداً صلى الله عليه وسلم حينما صعد إلى السماء وأخذ يستفتحها واحدة بعد واحدة فتفتح له ويدخل، رأى عيسى عليه السلام هو وابن خالته يحيىٰ فى السماء الثانية - ويكفينا فى توهين هذا المستند ما قرره كثير من شراح الحديث فى شأن المعراج وفى شأن اجتماع محمد صلى الله عليه وسلم بالانبياء، وانه كان اجتماعا روحيا لاجسمانيا (انظر فتح البارى وزاد المعاد وغيرهما).

ومن الطريف أنهم يستدلون على أن معنى الرفع فى الآية هو رفع عيسى بجسده الى السماء بحديث المعراج بينما ترى فريقاً منهم يستدل على أن اجتماع محمد بعيسى فى المعراج كان اجتماعاً جسدياً بقوله تعالى "بل رفعه الله إليه" هكذا يتخذون الآية دليلا على ما يفهمونه من الحديث حين يكونون فى تفسير الحديث، ويتخذون الحديث دليلا على ما يفهمونه من الآية حين يكونون فى تفسير الآية.

الرفع فى آية آل عمران:

ونحن إذا رجعنا إلى قوله تعالى: "إنى متوفيك ورافعك إلى" فى آيات آل عمران مع قوله "بل رفعه الله إليه" فى آيات النساء وجدنا الثانية اخباراً عن تحقيق الوعد الذى تضمنته الأولى، وقد كان هذا الوعد بالتوفية والرفع والتطهير من الذين كفروا، فاذا كانت الآية الثانية قد جاءت خالية من التوفية

و التطهير، و اقتصرت على ذكر الرفع إلى الله فانه يجب أن يلاحظ فيها ما ذكر فى الأولى جمعا بين الآيتين .

والمعنى أن الله توفى عيسى و رفعه اليه وطهره من الذين كفروا. وقد فسر الألوسى قوله تعالى "انى متوفيك" بوجوه منها- وهو أظهرها- انى مستوفى أجلك ومميتك حتف انفك لا أسلط عليك من يقتلك ، وهو كناية عن عصمته من الأعداء و ماهم بصدده من الفتك به عليه السلام لأنه يلزم من استيفاء الله أجله و موته حتف أنفه ذلك .

وظاهر أن الرفع الذى يكون بعد التوفية هو رفع المكانة لا رفع الجسد خصوصا وقد جاء بجانبه قوله : (ومطهرك من الذين كفروا) مما يدل على أن الأمر امر تشريف وتكريم.

و قد جاء الرفع فى القرآن كثيراً بهذا المعنى: فى بيوت أذن الله أن ترفع. نرفع درجات من نشاء. ورفعنا لك ذكرك. ورفعناه مكاناً علياً . يرفع الله الذين آمنوا الخ .

و اذن فالتعبير بقوله (ورافعك الى) و قوله (بل رفعه الله اليه) كالتعبير فى قولهم لحق فلان بالرفيق الاعلى وفى (ان الله معنا) وفى (عند مليك مقتدر) وكلها لا يفهم منها سوى معنى الرعاية والحفظ و الدخول فى الكنف المقدس . فمن أين تؤخذ كلمة السماء من كلمة (اليه) ؟ اللهم ان هذا لظلم للتعبير القرآنى الواضح خضوعاً لقصص و روايات لم يقم على الظن بها- فضلا عن اليقين برهان و لا شبه برهان !

الفهم المتبادر من الآيات

وبعد فما عيسى الا رسول قد خلت من قبله الرسل

"فاصبح قومه العداء" وظهرت على وجوههم بوادر الشر بالنسبة اليه ، فالتجأ الى الله شان الانبياء والمرسلين فانقذه الله بعزته وحكمته وخيب مكر أعدائه . وهذا هو ما تضمنته الآيات (فلما أحس عيسى منهم الكفر قال من أنصارى الى الله) الى آخرها ، بين الله فيها قوة مكره بالنسبة الى مكرهم ، وأن مكرهم فى اغتيال عيسى قد ضاع أمام مكر الله فى حفظه وعصمته اذ قال (يا عيسى انى متوفيك ورافعك الى ومطهرك من الذين كفروا) فهو يبشره بانجائه من مكرهم ورد كيدهم فى نحورهم وأنه سيتوفى أجله حتى يموت حتف أنفه من غير قتل ولا صلب ، ثم يرفعه الله اليه .

وهذا هو ما يفهمه القارئ للآيات الواردة فى شان نهاية عيسى مع قومه متى وقف على سنة الله مع أنبيائه حين يتألب عليهم خصومهم ، ومتى خلا ذهنه من تلك الروايات التى لا ينبغى أن تحكم فى القرآن ولست أدرى كيف يكون انقاذ عيسى بطريق انتزاعه من بينهم ورفعه بجسده الى السماء مكرا ؟ وكيف يوصف بأنه خير من مكرهم مع أنه شئ ليس فى استطاعتهم أن يقاوموه شئ ليس فى قدرة البشر ؟

ألا انه لا يتفق مكر فى مقابلة مكر الا اذا كان جاريا على أسلوبه ، غير خارج عن مقتضى العادة فيه . وقد جاء مثل هذا فى شان محمد صلى الله عليه وسلم (واذ يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك أو يقتلوك أو يخرجوك ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين) .

رفع عيسى ليس عقيدة يكفر منكرها

والخلاصة من هذا البحث :

۱ــ أنه ليس فى القرآن الكريم ولا فى السنة المطهرة مستند يصلح لتكوين عقيدة يطمئن اليها القلب بأن عيسى رفع بجسمه الى السماء وأنه حى الى الآن فيها وأنه سينزل منها آخرالزمان فى الارض.

۲ــ أن كل ما تفيده الآيات الواردة فى هذا الشأن هو وعد الله عيسى بأنه متوفيه أجله ورافعه اليه وعاصمه من الذين كفروا، وان هذا الوعد قد تحقق فلم يقتله اعداؤه ولم يصلبوه ولكن وفاه الله أجله ورفعه اليه.

۳ــ ان من أنكر أن عيسى قد رفع بجسمه الى السماء وأنه حى الى الآن وأنه سينزل منها آخرالزمان فانه لا يكون بذلك منكراً لما ثبت بدليل قطعى فلا يخرج عن اسلامه وايمانه ولا ينبغى أن يحكم عليه بالردة، بل هو مسلم مؤمن، اذا مات فهو من المؤمنين يصلى عليه كما يصلى على المؤمنين ويدفن فى مقابر المؤمنين ولا شية فى ايمانه عند الله والله بعباده خبير بصير."

ترجمہ:۔

"حضرت عیسیٰؑ کے رفع کی حقیقت

جامع ازہر کے علماء کبار کی مجلس میں مشرق وسطی کی فوجی قیادت عامہ کے عبدالکریم خان صاحب کی طرف سے سوال آیا ہے کہ کیا قرآن مجید اور سنت نبویہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں یا وفات پا گئے؟ نیز اس مسلمان پر کیا فتویٰ ہے جو اُن کے زندہ ہونے کا منکر ہے؟ نیز اس شخص کو کیا کہیں گے جو بالفرض آن کے دوبارہ آنے پر ایمان نہ لائے؟

یہ سوال مجلس کی طرف سے ہمارے سپرد کیا گیا اور ہم نے اس پر ذیل کا

فتویٰ دیا جسے مصر کے ماہنامہ الرسالۃ نے جلد ۱۰ اور نمبر ۴۶۲ میں شائع کیا ہے۔

حضرت مسیحؑ کا انجام از روئے قرآن مجید

قرآن کریم نے تین مختلف سورتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ان آخری حالات کو ذکر کیا ہے جو اُن کو اپنی قوم سے تعلق میں پیش آئے :۔

(۱) سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلمّا احسّ عیسٰی منھم الکفر ۔۔۔ فیما کنتم فیہ تختلفون (آیت ۵۲ - ۵۵)

(۲) سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و قولھم انّا قتلنا المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ ۔۔۔ عزیزاً حکیماً۔ (آیت ۱۵۷ - ۱۵۸)

(۳) سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و اذ قال اللہ یا عیسی بن مریم ۔۔۔ و انت علی کلّ شیٔ شھید (آیت ۱۱۶ - ۱۱۷)

یہی وہ آیات ہیں جن میں قرآن کریم نے حضرت مسیحؑ کے اس انجام کو بیان فرمایا ہے جو انہیں اپنی قوم کے تعلق میں پیش آیا تھا۔

آخری آیت یعنی سورۃ المائدہ کی آیت اگلے جہان کی اس گفتگو کو بیان کرتی ہے جو نصاریٰ کی طرف سے دنیا میں مسیحؑ اور ان کی والدہ کی عبادت کرنے کے بارے میں ہو گی جبکہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ سے اس کے متعلق دریافت فرمائے گا۔ یہ آیت تصریح کر رہی ہے کہ حضرت مسیحؑ عرض کریں گے کہ انہوں نے عیسائیوں کو صرف وہی بات کہی تھی جس کے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ نیز وہ عرض کریں گے کہ میں جب تک اُن کے درمیان موجود تھا میں ان کا نگران تھا۔ البتہ مجھے اس کے بعد ہونے والے واقعات کا علم نہیں جب اللہ تعالیٰ نے مجھے وفات دے دی تھی۔

توفّی کے معنے

قرآن کریم میں لفظ توفّی بکثرت وفات کے معنوں میں وارد ہُوا ہے یہاں تک کہ اس لفظ کے یہی معنے عام پر مستعمل ہونے لگ گئے اور لفظ توفی سے موت کے معنے متبادر طور پر سمجھے جانے لگے۔ اور جب تک لفظ توفّی کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جو اُسے اس متبادر معنی سے دوسرے معنے کی طرف پھیر دے یہ لفظ موت کے معنے کے علاوہ کسی اور معنے میں استعمال ہی نہیں ہوتا۔ آیات قل یتوفاکم ملك الموت الذی وکّل بکم (السجدہ: ۱۱) انّ الذین توفاھم الملئکة ظالمی انفسھم (النساء: ۹۷) ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملئکة (الانفال: ۵۰) توفّته رسلنا۔ ومنکم من یتوفی۔ حتّی یتوفاھن الموت۔ توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین پیش ہیں۔

آیت میں لفظ توفّیتنی کا حق ہے کہ اس سے وہی متبادر معنے مراد لئے جائیں جسے سب لوگ سمجھتے ہیں اور جسے اس لفظ اور اس کے سیاق سے سب عربی بولنے والے جانتے ہیں یعنی معروف موت۔ اندریں صورت جب تک اس آیت کے ساتھ کوئی اور چیز شامل کرکے مسیح کا اپنی قوم کے ساتھ اور انجام متعین نہ کیا جائے۔ اس آیت کے رُو سے یہ کہنے کی ہرگز گنجائش نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور ابھی تک فوت نہیں ہوئے۔

پھر ان لوگوں کے خیال کی وجہ سے جو حضرت مسیح کو ہنوز آسمان پر زندہ گمان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے اس بات کی بھی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ آیت میں وفات سے مراد مسیح کے آسمان سے اُترنے کے بعد کی وفات ہے۔ کیونکہ آیت (فلما توفیتنی) جو صریح طور پر ان کی اپنی قوم سے تعلق کی حدبندی کر رہی ہے ان لوگوں پر شامل نہیں ہے جو

آخری زمانہ میں ہوں گے کیونکہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں نہ کہ مسیح کی قوم۔

رفعہ اللہ الیہ کے معنے

سورۃ النساء کی آیت میں بل رفعہ اللہ الیہ وارد ہوا ہے بعض مفسرین بلکہ جمہور مفسرین نے اس میں رفع کی تفسیر آسمان کی طرف لیے جانا کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو مسیح کی شبیہہ بنا دیا اور مسیح کو جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیا۔ وہ وہاں زندہ ہے اور آخری زمانہ میں وہاں سے اترے گا۔ سؤروں کو قتل کرے گا اور صلیب کو توڑے گا۔ مفسرین اس بارے میں اوّل تو ان روایات پر اعتماد کرتے ہیں جو دجال کے بعد نزول عیسیٰؑ کا ذکر کرتی ہیں۔ یہ روایات مضطرب اپنے الفاظ اور معانی میں اتنا شدید اختلاف رکھتی ہیں کہ ان میں تطبیق ممکن نہیں۔ اس امر کی تصریح خود علماء حدیث نے کی ہے۔ مزید برآں یہ وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ علماء جرح و تعدیل کے نزدیک ان راویوں کا درجہ تم بخوبی جانتے ہو۔ دوسری بنیاد مفسرین کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ جس میں انہوں نے نزول عیسیٰؑ کی خبر پر اکتفاء کیا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی یہ حدیث احاد ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ احادیث احاد سے نہ تو کوئی عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی امورِ غیبیہ کے بارے میں ان پر اعتماد کرنا درست ہے۔

مفسرین کی تیسری سند وہ بیان ہے جو حدیث معراج میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کی طرف صعود فرمایا اور یکے بعد دیگرے آسمانوں کو کھولتے گئے اور ان میں داخل ہوتے گئے تو آپ نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰؑ کو دوسرے آسمان پر دیکھا۔ ہمارے لیے اس

استناد کو کمزور ثابت کرنے کے لیئے یہی کافی ہے کہ خود شارحین حدیث کی اکثریت نے قرار دیا ہے کہ معراج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبیوں سے ملاقات روحانی رنگ کی تھی جسمانی نہ تھی۔ (فتح الباری اور زاد المعاد وغیرہ ملاحظہ ہوں)

اور عجیب تر یہ ہے کہ مفسّرین ایک طرف حدیث معراج سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ آیت میں حضرت عیسٰے کے رفع سے مراد جسم سمیت آسمان پر اٹھایا جانا ہے جبکہ اُن میں سے ایک گروہ آیت بل رفعہ اللہ الیہ کو اس بات کی دلیل بتا رہا ہے کہ معراج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت مسیح سے جسمانی طور پر ملاقات ہوئی تھی۔ گویا اس طرح یہ لوگ جب حدیث کی تشریح کرتے ہیں تو اپنے مزعومہ معنوں پر آیت کو دلیل گردانتے ہیں اور جب آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو اس تفسیر کے لیئے حدیث کے مزعومہ معنوں کو بطور سند لاتے ہیں۔

سورۃ آل عمران کی آیت میں رفع سے مراد

جب ہم سورۃ آل عمران کی آیت انی متوفیك و رافعك الی کو سورۃ نساء کی آیت بل رفعہ اللہ الیہ سے ملا کر پڑھتے ہیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلی آیت میں جو وعدہ تھا دوسری میں اُسی کے پورا ہونے کا ذکر ہے۔ یہ وعدہ وفات، رفع اور کافروں سے تطہیر کا تھا۔ اگرچہ دوسری آیت (نساء والی آیت) میں وفات اور تطہیر کا بیان نہیں اور صرف رفع الی اللہ مذکور ہے تاہم دونوں آیتوں میں تطبیق کے لئے ضروری ہے کہ اس سارے وعدے کو اس جگہ بھی مدّنظر رکھا جائے۔ پس آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو وفات دی، پھر ان کا رفع فرمایا اور انہیں کافروں سے پاک ٹھہرایا۔

مشہور مفسّر علامہ الالوسی نے متوفیك کی جو متعدد تفسیریں کی ہیں ان میں سے واضح ترین یہی معنے ہیں کہ میں تیری اجل کو پورا کروں گا اور تجھے

طبعی موت سے وفات دوں گا۔ تجھ پر کوئی ایسا شخص مسلط نہ ہوگا جو تجھے قتل کر سکے۔ گویا اس میں بطور کنایہ بتا دیا گیا کہ حضرت مسیح دشمنوں کے قتل وغیرہ سے محفوظ رہیں گے کیونکہ یہ بات پوری عمر دیئے جانے اور طبعی وفات پانے سے لازم آتی ہے۔

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ وفات کے بعد رفع سے مراد صرف بلندیٔ درجات ہی ہو سکتی ہے نہ کہ جسمانی رفع۔ بالخصوص جبکہ آیت میں ساتھ ہی ومطھرك من الذین کفروا کا لفظ بھی موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر شرف و عزّت اور تکریم شان کا ذکر مقصود ہے۔

قرآن مجید میں لفظ رفع اِن معنوں میں بکثرت آیا ہے مثلاً آیات: فی بیوت اذن اللہ ان ترفع۔ نرفع درجات من نشاء۔ رفعنا لك ذکرك۔ ورفعناہ مکاناً علیاً۔ یرفع اللہ الذین آمنوا۔ الخ

پس آیت رافعك الیّ اور بل رفعہ اللہ الیہ میں وہی مضمون اور تعبیر مراد ہے جو عام قول "لحق فلانٌ بالرفیق الاعلیٰ" اور آیات" ان اللہ معنا" اور "عند ملیك مقتدر" میں مراد ہے۔ ان سب جگہ حفاظت، نگرانی اور مقدس پناہ میں داخل ہونے کے سوا کچھ مراد نہیں۔ پھر لفظ "الیہ" میں آسمان کا لفظ کہاں سے لیا جاتا ہے؟ بخدا قرآن کریم کے واضح طریق بیان پر یہ صریح ظلم محض ان قصوں اور روایتوں کی اتّباع میں روا رکھا جاتا ہے جن کے درست ہونے پر یقینی طور پر تو کجا ظنی طور پر بھی کوئی دلیل یا نیم دلیل قائم نہیں ہے۔

آیات کا واضح اور متبادر مفہوم

علاوہ بریں حضرت مسیحؑ صرف ایک رسول ہیں ان سے پہلے کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت مسیح کی قوم نے اُن سے دشمنی کی اور ان کے بارے

میں اُن کے بُرے ارادے نمایاں تھے ۔ تب حضرت مسیح نے نبیوں اور رسولوں کے طریق کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت اور حکمت سے اُنہیں محفوظ رکھا اور دشمنوں کے مکر کو ناکام کر دیا ۔ یہی وہ مضمون ہے جو آیات فلما احس عیسی منھم الکفر الخ میں مذکور ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کافروں کے مکر کے مقابلہ پر نہایت قوی اور زبردست ہوتی ہے اسلئے حضرت مسیح کو بچانے اور محفوظ کرنے کی الٰہی تدبیر کے سامنے یہود کا مسیح کو قتل کرنے کا منصوبہ سراسر اکارت گیا ۔ آیت یا عیسی انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو بشارت دی تھی کہ وہ اسے دشمنوں کے مکر سے نجات دیگا اور اُن کی بُری تدبیر کو اُن کے مُنہ پر مارے گا ۔ وہ حضرت مسیح کو طبعی عمر دے گا یہاں تک کہ وہ آخر کار بغیر قتل اور صلیب کے طبعی طور پر فوت ہوں گے ۔ نیز خدا تعالیٰ ان کا اپنی طرف رفع کرے گا ۔

ہر وہ شخص جس کا ذہن اُن روایات سے خالی ہو جنہیں قرآن کریم پر حَکَم بنانا جائز نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس سُنّت کو بھی جانتا ہو جو نبیوں پر دشمنوں کے حملہ آور ہونے کے وقت ظاہر ہوتی رہی ہے مندرجہ بالا آیات پڑھتے وقت ان کا مذکورہ مفہوم ہی سمجھے گا نہ کچھ اور ۔ یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے کہ مسیح کو یہود کے درمیان سے اُٹھا کر آسمان پر لے جانے کو "مکر" کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے اور پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ یہ یہود کے مکر سے بہتر تھا حالانکہ وہ اس صورت کا سرے سے مقابلہ ہی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ انسانی طاقت سے بالا ہے ؟ انسانی مکر کے مقابلہ پر الٰہی تدبیر پر لفظ مکر کا اطلاق اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ تدبیر عام عادت سے خارج نہ ہو اور انسانی مکر کے اسلوب پر نافذ ہو ۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے

فرماتا ہے واذ یمکربك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا منکر کافر قرار نہیں دیا جا سکتا!

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

اوّل ۔ قرآن کریم میں نیز سنّتِ نبویہ مقدسہ میں کوئی ایسی سند موجود نہیں جس پر اس عقیدہ کو اطمینانِ قلب سے مبنی سمجھا جا سکے کہ حضرت عیسیٰؑ جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور اب تک وہاں زندہ ہیں اور وہاں سے آخری زمانہ میں زمین پر اتریں گے۔

دوم ۔ اس بارے میں قرآن کریم کی آیات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اسے وقتِ مقررہ پر وفات دے گا اور اس کا اپنی طرف رفع کرے گا اور کافروں سے اُسے محفوظ رکھے گا اور یہ وعدہ پورا ہو گیا ہے ۔ حضرت مسیحؑ کے دشمن اسے مقتول و مصلوب نہیں بنا سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدّت پوری کر کے انہیں وفات دے دی اور اپنی طرف رفع فرمایا۔

سوم ۔ پس جو شخص مسیحؑ کے جسم سمیت آسمانوں پر اُٹھائے جانے اور وہاں زندہ ہونے اور آخری زمانہ میں آسمان سے اُترنے کا انکار کرتا ہے وہ کسی ایسی چیز کا انکار نہیں کرتا جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہو لہذا وہ ایمان و اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا ۔ اس پر ارتداد کا حکم لگانا ہرگز درست نہیں بلکہ وہ مسلمان اور مومن ہے ۔ جب وہ فوت ہو تو مومنوں کی طرح اس کا جنازہ پڑھا جانا چاہیئے اور مسلمانوں کے قبرستان میں اُسے دفن کیا جانا چاہیئے۔ عند اللہ اس کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں ۔ واللہ بعبادہ خبیر بصیرؔ

(کتاب الفتاوی مطبوعہ ازہر دسمبر ۱۹۵۹ء صلے تا ۵۰)

وفاتِ مسیح اور احادیث

اگرچہ نصوصِ قرآنیہ[1] کے بعد کسی حدیث کی حاجت نہیں لیکن دو حدیثوں کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے۔

پہلی حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَوْ کَانَ مُوْسیٰ وَعِیْسیٰ حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو وہ آج ضرور میری پیروی کرتے" یعنی وہ فوت ہوچکے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۶، الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۴، شرح مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۶) اسی حدیث کی بنا پر امام ابن القیم کی کتاب میں بھی لکھا ہے۔ لَوْ کَانَ مُوْسیٰ وَعِیْسیٰ فِیْ حَیَاتِہِمَا لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِہٖ (مدارج السالکین جلد ۲ صفحہ ۳۱۲) اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بقیدِ حیات ہوتے تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں شامل ہوتے۔"

یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اِس قسم کے الفاظ مختلف طریق پر آئے ہیں۔ مندرجہ بالا روایت میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں کا نام ہے۔ ایک روایت میں صرف حضرت موسیٰؑ کا نام ہے اور ایک میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے اور وہ یہ ہے۔ لَوْ کَانَ عِیْسیٰ حَیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۲) امام ملّا علی قاری لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو میری تابعداری کرتے۔ پس کسی روایت میں صرف موسیٰؑ کا لفظ پاکر متذکرہ صدر روایت کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جس طرح صرف حضرت عیسیٰؑ والی روایت سے موسیٰؑ والی روایت کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ درست ہے۔ علامہ ابن رشید البغدادی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کیا خوب کہا ہے ؎

نَسَخْنَا مِلَلَ الْاَدْیَانِ لَوْ عَاشَ رُسْلُنَا
لَجَاءَکَ عِیْسیٰ تَابِعًا وَکَلِیْمٗ

اے رسول! تیرے ذریعہ سے سب دین منسوخ ہوگئے۔ اگر پہلے رسول زندہ ہوتے

---

[1] ہم نے اختصار کو مدّنظر رکھا ہے اسلیئے جملہ آیات احادیث درج نہیں کیں۔ ماننے والے کیلئے تو ایک دلیل بھی کافی ہوتی ہے (مؤلف)

تو تیرے تابعدار ہوتے۔" (دیوان محزن الاضافات مطبوعہ بثیرت ص۲۵)

دوسری حدیث:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَ مِائَةَ سَنَةٍ۔ تحقیق حضرت عیسیٰ ایک سو بیس سال زندہ رہے ہیں (کنز العمال جلد ۶ ص۱۲۰ حج الکرامہ ص۴۲۸ جلالین مجتبائی ص۵) گویا نہ صرف حضرت عیسےٰؑ کی موت کا اعلان فرمایا بلکہ ان کی عمر بھی بتا دی۔

احادیث نبویہ میں حضرت مسیحؑ کے زندہ یا جسم سمیت آسمان پر ہونے کا قطعاً کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ البتہ "نزولِ ابن مریم" کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی مذکور ہے وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (صحیح البخاری) کہ وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ گویا وہ اُمتِ محمدیہ کا فرد ہوگا۔ بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رؤیا کا ذکر کرکے واضح فرما دیا کہ اسرائیلی مسیح اَور تھا اور اُمتِ محمدیہ کا موعود اَور ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مسیح کے حُلیہ میں فرمایا اَحْمَرُ جَعْدٌ کہ اس کا رنگ سُرخ ہے اور بال گھونگریالے ہیں۔ اور مسیح موعود کے متعلق فرمایا آدَمُ سَبِطٌ کہ وہ گندم گوں رنگ کا ہوگا اور اس کے بال سیدھے ہوں گے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۵۸ مطبوعہ مصر)

پس نزولِ ابن مریم والی احادیث سے حضرت مسیحؑ کی جسمانی زندگی کا استدلال باطل ہے احادیث میں حیاتِ مسیحؑ کے عدمِ ذکر کا اعتراف سب علماء کر رہے ہیں۔ تازہ اعتراف یہ ہے کہ:۔

> "حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی اس موضوع پر ارشاد فرمایا نزولِ مسیح بن مریم ہی ذکر فرمایا کبھی بھی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا لفظ آپؐ کی زبانِ مبارک پر نہیں آیا۔"
>
> (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی نومبر ۱۹۶۴ء ص۱۷)

صحابہ کرامؓ کے عظیم الشان اجماع وفاتِ مسیحؑ پر

(۱) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جان نثاری؛

وارفتگی اور عاشقانہ محبت کو دیکھتے ہوئے ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ وہم نہیں کیا جا سکتا کہ آپ پر وہ کسی دوسرے نبی کو کسی نوع کی بھی فضیلت دیتے تھے چہ جائیکہ یہ کہا جائے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ "سردارِ دو جہاںؐ زیرِ زمین مدفون اور حضرت عیسیٰ بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ موجود ہیں" حاشا وکلا۔

نہ معلوم ان بزرگ ہستیوں کی طرف یہ عقیدہ کیونکر منسوب کیا جا سکتا ہے جبکہ انہوں نے ایک نہیں بلکہ دو دفعہ عظیم الشان اجتماع کے ذریعہ اس حقیقت پر مُہر کر دی کہ حضرت عیسیٰؑ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لیئے انتقال فرما گئے۔ چنانچہ حضور سرورِ کائنات کی وفات کے موقعہ پر جب حضرت عمرؓ فرما رہے تھے کہ جو آپؐ کو وفات یافتہ قرار دے گا میں اس کی گردن اُڑا دوں گا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب صحابہؓ کے سامنے حسبِ ذیل خطبہ پڑھا۔

اَمَّا بَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ الی قوله اَلشَّاكِرِيْنَ۔

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ جلد ۳ صـ۲۲ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ جو تم میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آج آپؐ فوت ہو گئے ہیں۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا اُسے واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ اور غیر فانی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض ایک رسول ہیں اور آپؐ سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خطبہ صحابہؓ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام امیدوں پر پانی پھیرنے والا تھا۔ اُنہوں نے آیتِ قرآنی کی بناء پر یقین کر لیا کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں کیونکہ آپؐ سے پہلے بھی تمام رسول فوت

ہو چکے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک ایک بھی گزشتہ نبی زندہ ہوتا تو وہ فرطِ محبت کے باعث آپؐ کی موت کے قائل نہ ہوتے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا بھی ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ حضورؐ زندہ ہیں، اِنَّمَا رُفِعَ اِلَی السَّمَاءِ کَمَا رُفِعَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ (حجج الکرامہ ملک) جیسے حضرت عیسیٰؑ کا رفع ہوا ہے ویسے ہی آپؐ کا بھی رفع ہوا ہے اور آپؐ بھی دوبارہ تشریف لائیں گے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کے زبردست استدلال اور آیت قرآنی کی نص نے انہیں یقین دلایا کہ نہ صرف آپؐ ہی فوت ہوئے ہیں بلکہ جمیع انبیاء کرام بھی وفات پا گئے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور باقی صحابہؓ نے بھی سکوت اختیار کر کے حضرت عیسیٰؑ کی موت پر مُہرِ یقین ثبت کر دی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

"وَاللّٰہِ مَا ھُوَ اِلَّا اَنْ سَمِعْتُ اَبَابَکْرٍ تَلَاھَا فَعَقِرْتُ حَتّٰی مَا تُقِلُّنِیْ رِجْلَایَ وَحَتّٰی اَھْوَیْتُ اِلَی الْاَرْضِ حِیْنَ سَمِعْتُہٗ تَلَاھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ۔" (بخاری جلد ۲ ص۲۶)

کہ بخدا جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کو آیت وَمَا مُحَمَّدٌ پڑھتے سُنا تو میں سمجھا کہ یہ آیت تو مجھے ابھی معلوم ہوئی ہے، پھر تو میرے پاؤں میں طاقت نہ رہی اور میں زمین پر گر پڑا کیونکہ ابوبکرؓ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔"

دیگر صحابہؓ کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ حضرت حسانؓ فرماتے ہیں ؎

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیْکَ النَّاظِرُ
مَنْ شَآءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

اے نبی! تُو میری آنکھ کی پتلی تھا تیرے مرنے سے میری آنکھ اندھی ہو گئی
تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے تو تیرا ہی ڈر تھا کہ تُو فوت نہ ہو جائے۔"

آہ! کہاں یہ وارفتگی اور کہاں موجودہ مسلمانوں کے خیالات ؏

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

صحابہ کرامؓ کا یہ زبردست اجماع روزِ روشن کی طرح بتا رہا ہے کہ کوئی صحابی بھی حضرت

عیسٰےؑ کی زندگی کا معتقد نہ تھا۔ اگر کوئی روایاتِ نصاریٰ کے ماتحت ان کو پہلے زندہ سمجھتا بھی تھا تو حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ نے اس کی غلطی کا بھی ازالہ کر دیا اور سب صحابہؓ کا اس مسئلہ میں واحد مسلک (وفاتِ مسیح) ہو گیا۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ منبر پر چڑھے اور فرمایا:-

"اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ قُبِضَ اللَّیْلَۃَ رَجُلٌ لَمْ یَسْبِقْہُ الْاَوَّلُوْنَ وَلَا یُدْرِکُہُ الْاٰخِرُوْنَ قَدْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَبْعَثُہُ الْمَبْعَثَ فَیَکْتَنِفُہُ جِبْرِیْلُ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَمِیْکَائِیْلُ عَنْ شِمَالِہٖ فَلَا یَنْثَنِیْ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ لَہٗ وَمَا تَرَکَ اِلَّا سَبْعَ مِائَۃِ دِرْھَمٍ اَرَادَ اَنْ یَّشْتَرِیَ بِھَا خَادِمًا وَلَقَدْ قُبِضَ فِی اللَّیْلَۃِ الَّتِیْ عُرِجَ فِیْھَا بِرُوْحِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ لَیْلَۃَ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ۔"

(طبقاتِ کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۶)

کہ اے لوگو! آج رات وہ انسان فوت ہوا ہے کہ پہلے اور پچھلے اس کے مرتبہ کو نہیں پا سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنگ کے لئے بھیجا کرتے تھے تو جبرائیل آپ کے دائیں اور میکائیل بائیں ہوتا تھا اور آپ فتح کئے بغیر واپس نہ لوٹتے تھے۔ آپؓ کا ترکہ سات سو درہم ہے جن کے متعلق آپؓ کا ارادہ تھا کہ ایک غلام خریدیں۔ آپؓ اس رات میں فوت ہوئے جس میں حضرت عیسٰےؑ بن مریم کی رُوح اٹھائی گئی تھی یعنے ستائیس (۲۷) رمضان۔"

اس بیان میں نہایت تصریح کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ آسمان پر جانے والی چیز صرف حضرت عیسٰے علیہ السلام کی رُوح تھی، اُن کا جسم آسمان پر نہ گیا تھا۔ اور پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ عیسٰےؑ کی موت کی تاریخ ۲۷ رمضان تھی۔

بھائیو! عجیب حکمتِ الٰہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد اگر صحابہؓ کا کسی مسئلہ پر اجماع ہوتا ہے تو وہ وفاتِ مسیح ہے۔ اور خلافتِ راشدہ کے بعد بھی پہلا اجماع اسی عقیدہ پر ہوتا ہے۔ اور ہر دو وقتوں میں ہونے والا خلیفہ ہی خطبہ

پڑھتا ہے تاکہ کسی قسم کا شبہ نہ رہ سکے۔ مگر افسوس ہے کہ پھر بھی بعض لوگ "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ" پر گامزن ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے حیاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں۔ یَا لَلْعَجَب!

عزیزو! غور کرو کہ قرآنی نصوص، احادیثی بیانات، اور اجماع کے خلاف عقیدہ رکھ کر آپ کیونکر "اہلِ سنّت والجماعت" کہلا سکتے ہیں؟ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کو فوت شدہ انبیاء میں دیکھا (بخاری باب الاسراء جلد ا صفحہ ۹) کیا یہ کافی شہادت نہ تھی؟ پھر آپؐ نے خود فوت ہو کر بتلا دیا کہ مجھ سے پہلے بھی کوئی رسول زندہ نہیں۔ کیا اس سے آپ کی تسلی نہیں ہو سکتی؟ پھر کیا صحابہ کرامؓ کے بیّن اور اظہر من الشمس اجماع آپ کو اطمینان نہیں دلا سکتے؟ اگر نہیں تو کیا اس کے برخلاف "حیاتِ مسیحؑ" کے متعلق بھی آپ کے پاس کوئی ثبوت نقلِ قرآنی یا اجماعِ صحابہؓ ہے؟ ہرگز نہیں!

اب آپ ہی خود فیصلہ فرمائیں کہ کونسا فریق اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ہے؟ کیا ہی خوش قسمت وہ انسان ہے جس کے لئے یقین اور بصیرت کے دروازے کھولے گئے اور اس نے حق کو پا لیا۔

عقیدۂ وفاتِ مسیحؑ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی وصیّت!

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ یونہی بے ضرورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر زور دے رہی ہے مگر یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ:-

اوّل تو جب قرآن مجید نے اپنی صریح نصوص میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر فرمایا ہے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس عقیدہ کو اختیار کرے، اس کا اعلان کرے اور اس کے دلائل سے لوگوں کو آگاہ کرے۔

دوم:- آج اس زمانہ میں اس عقیدہ کی اسلام کی زندگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری و افضلیت کے اعلان کے لئے اساسی ضرورت ہے۔ عیسائی پادریوں نے جو صورتِ حال پیدا کر دی ہے اس کے ازالہ کے لئے عقیدۂ

وفاتِ مسیح از بس لازمی ہے۔ گویا یہ پادریوں کے زہر کے لئے قرآنی تریاق ہے۔
یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو آخری وصیت کے طور پر فرمایا ہے کہ:۔

"اے میرے دوستو! اب میری ایک آخری وصیت کو سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو کہ تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر یہ ثابت کر دو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے۔ یہی ایک بحث ہے جس میں فتح یاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی رُوئے زمین سے صف لپیٹ دو گے۔ تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لمبے لمبے جھگڑوں میں اپنے اوقاتِ عزیز کو ضائع کرو۔ صرف مسیح ابن مریم کی وفات پر زور دو اور پُرزور دلائل سے عیسائیوں کو لاجواب اور ساکت کر دو۔ جب تم مسیح کا مُردوں میں داخل ہونا ثابت کر دو گے اور عیسائیوں کے دلوں میں نقش کر دو گے تو اُس دن تم سمجھ لو کہ آج عیسائی مذہب دنیا سے رخصت ہوا۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہو ان کا مذہب فوت نہیں ہو سکتا اور دوسری تمام بحثیں ان کے ساتھ عبث ہیں۔ ان کے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ کہ اب تک مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب دنیا میں کہاں ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ بھی چاہتا ہے کہ اس ستون کو ریزہ ریزہ کرے اور یورپ اور ایشیا میں توحید کی ہوا چلا دے اس لئے اُس نے مجھے بھیجا اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ وکان وعد اللہ مفعولاً انت معی وانت علی الحق المبین انت مصیبٌ ومعین للحق" (ازالہ اوہام طبع پنجم صلہ ۲۳)

پادریوں کی شکست فاش کا اعتراف

سنہ ۱۹۳۴ء میں دہلی سے نور محمد صاحب مالک اصح المطابع نے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب کے دونوں ترجموں والا ایک قرآن شریف شائع کیا۔ اس کے دیباچہ میں صاف اور واضح اقرار کیا گیا ہے کہ عیسائی پادریوں کی ہندوستان کو عیسائی بنانے کی سکیم کو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ؑ نے عقیدۂ وفات مسیح ؑ سے سراسر ناکام بنا دیا اور پادریوں کو ہندوستان سے لے کر ولایت تک شکست دیدی۔ اصل الفاظ یہ ہیں :-

"اسی زمانہ میں پادری لیفرائے پادریوں کی ایک بڑی جماعت لیکر اور حلف اُٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا۔ اسلام کی سیرت و احکام پر جو اس کا حملہ ہوا تو وہ ناکام ثابت ہوا۔ کیونکہ احکامِ اسلام و سیرتِ رسول ؐ اور احکامِ انبیاءِ بنی اسرائیل اور ان کی سیرت جن پر اس کا ایمان تھا یکساں تھے۔ پس الزامی و نقلی و عقلی جوابوں سے ہار گیا مگر حضرت عیسیٰ ؑ کے آسمان پر بجسمِ خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد ؑ قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ ؑ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح سے فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں پس اگر تم سعادتمند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لیفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اسی ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے

پادریوں کو شکست دیدی" (دیباچہ معجز نما کلاں قرآن شریف مترجم مطبوعہ ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۰)

کیا اس واضح حقیقت کے باوجود کسی مسلمان کو عقیدۂ وفات مسیح کا انکار کرنا چاہیئے؟ سچ ہے سے

ابنِ مریم مر گیا حق کی قسم
داخلِ جنّت ہوا وہ محترم

مبحث دوم

ختم نبوت کی حقیقت

ایک ضروری وضاحت جماعت احمدیہ کا مسئلۂ نبوت میں جو اختلاف موجودہ علماء سے ہے پہلے اسے سمجھ لینا چاہیئے۔ یاد رہے کہ سلسلۂ انبیاء حضرت آدمؑ سے شروع ہوا۔ ہر نبی ایک قوم کی طرف اور محدود زمانہ کے لیئے آیا کرتا تھا۔ ہر نبی کا انتخاب بلا واسطہ اور بغیر کسی دوسرے نبی کی پیروی اور اتباع کے ہوا کرتا تھا۔ گویا ہر نبی مستقل ہوتا تھا کسی کا اُمتی نبی نہ ہوتا تھا۔ پھر یہ سابق انبیاء دو قسم کے ہوتے تھے، بعض شریعت جدیدہ لیکر آتے تھے اور بعض نئی شریعت نہ لاتے تھے بلکہ سابقہ شریعت کی پیروی کرانے کے لئے آتے تھے۔ نئی شریعت لانے والے نبیوں کو تشریعی نبی کہا جاتا ہے اور جو نبی پہلی شریعت کی پیروی کرانے کیلئے آتے تھے وہ غیر تشریعی نبی کہلاتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ اب تمام نسلِ انسانی کو متحدہ مرکز پر جمع کر دیا جائے اور انسانی دماغ بھی بلوغت کو پہنچ گیا تو اس نے قومی نبیوں کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔

محدود الوقت انبیاء کے طریق کو بند فرما دیا اور اس عظیم الشان پیغمبر اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمایا جو تمام کمالات کا جامع اور سب خوبیوں کا مجموعہ تھا تمام پھولوں کا گلدستہ تھا۔ اسے سب قوموں، سب نسلوں اور سب زمانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا اور اسے فرمایا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً ط

کہ تو اعلان کر دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض رسول نہ تھے آپ خاتم النبیین بھی تھے۔ نبوت کے انتہائی کمالات کے حامل تھے اسلئے آپ کی بعثت کے ساتھ براہِ راست اور مستقل نبیوں کی آمد کا سلسلہ کلیتہً بند ہو گیا۔ اب سارے روئے زمین پر کوئی انسانی یا رسول نہیں آسکتا جس نے حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے فیضان حاصل نہ کیا ہو۔ نبی کیا اب کوئی شخص ولی اور مقرب بارگاہِ ایزدی بلکہ مومن بھی نہیں ہو سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہ ہو۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے جملہ سابق نبیوں کا سلسلہ اور ان کے فیضان کے انقطاع کا اعلان کر دیا گیا۔

اب سوال یہ باقی رہ گیا ہے کہ آیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان جاری ہے یا وہ بھی منقطع ہو چکا ہے؟ عام غیر احمدی علماء کہتے ہیں کہ فیضانِ محمدی بھی بند ہے اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بھی آسمانی برکات اور روحانی نعمتوں سے حصہ نہیں پا سکتے مگر جماعت احمدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض جاری ہے اور آپ کے پیروؤں کے لئے تمام نعمتوں کے دروازے کھلے ہیں۔ اُمتی نبوت کیا ہے؟ وہ فیضانِ محمدی کا اعلیٰ ترین پرتو ہے۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک اب نہ کوئی مستقل نبی آسکتا ہے، نہ کوئی براہِ راست نبوت کو پا سکتا ہے اور نہ ہی کسی تشریعی نبی کا آنا ممکن ہے۔ اب تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نبوت جاری ہے، آپ کا ہی کلمہ ہے، اور آپ کی ہی شریعت قائم و دائم ہے۔ ہاں بطور ظلی و بروز آپ کی پیروی سے فنافی الرسول کے رنگ میں اُمتی نبوت کا پانا ممکن ہے۔ اِس

ضروری وضاحت کے مطالعہ کے بعد اب ختم نبوت کی حقیقت یا فیضانِ محمدی کے جاری رہنے پر دلائل و بیانات پر غور فرمائیں۔

خاتم النبیّین کے متعلق دو نظریے

اللہ تعالیٰ نے ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب جہانوں، سب زمانوں اور ساری قوموں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور آپؐ کو وہ مقام بخشا جو انسانیت کا انتہائی نقطہ اور نبوت کا آخری کمال ہے۔ انبیاء انسانوں میں بہترین وجود ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں میں سے سب سے بہتر، افضل اور اکمل فرد ہیں۔ آپؐ کے اِس مقام کو قرآن مجید میں لفظ خاتم النبیّین سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کو کلامِ الٰہی ماننے والے سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّین ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔ اِس مقدس کلمہ اور اعلیٰ ترین لقب کی تفسیر و تشریح میں اختلاف ہوسکتا ہے مگر اس بارے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ یہ امر قرآن مجید کی صریح نص میں مذکور ہے۔

خاتمیتِ محمدیہ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین ماننے والوں کے دو مختلف نظریے ہیں ــــ (۱) پہلا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نے دیگر انبیاء کے فیوض کو بند کرکے فیضانِ محمدی کا وسیع دروازہ کھول دیا ہے۔ آپؐ کی اُمّت کے لئے آپؐ کی پیروی کے طفیل وہ تمام انعامات ممکن الحصول ہیں جو پہلے منعم علیہم لوگوں کو ملتے رہے ہیں۔ (۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت فیضانِ محمدی کے بند ہونے کے مترادف ہے۔ آپؐ کی اُمّت اُن تمام اعلیٰ انعامات سے محروم ہوگئی ہے جو بنی اسرائیل یا پہلی اُمّتوں کو ملتے رہے ہیں۔

منکرینِ فیضانِ محمدی کے دو گروہ

اِس دوسرے نظریے کے قائلین کے پھر دو گروہ ہیں۔ اوّل جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس روحانی اصلاح کی ضرورت پیش آنے والی ہے اُس

کے لئے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام آخری زمانہ میں آسمانوں سے نزول فرمائیں گے۔ دوسرا گروہ کا عقیدہ ہے کہ مسیح و مہدی کی آمد کا خیال غیر اسلامی ہے اور یہ مجوسیت سے اسلام میں آیا ہے۔ نہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہیں اور نہ وہ آئیں گے یہ محض خیال خام ہے۔

یہ دوسرا گروہ علامہ اقبال اور ان کے ہمنوا تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے منکرین فیضانِ محمدی میں سے پہلا گروہ جناب مودودی صاحب اور اُن کے ساتھیوں کا ہے۔ جماعت احمدیہ اور بہت سے علماء محققین کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہمیشہ جاری ہے اور آپؐ کی اُمت کے لئے جملہ انعاماتِ الٰہیہ کا حاصل کرنا ممکن ہے۔

جناب مودودی صاحب منکرینِ فیضانِ محمدی کے جس مکتبِ فکر کی نمائندگی کے مدعی ہیں اُن میں سے جمہور محققین کو اُن سے سخت اختلاف ہے۔ مودودی صاحب نے مارچ ۱۹۶۲ء میں جو رسالہ "ختم نبوّت" کے عنوان سے شائع کیا اس میں آپ نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو جسمانی طور پر زندہ مانتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہی آخری زمانہ میں جسمانی طور پر نزول فرمائیں گے مگر وہ اپنی اس بعثت میں نبی نہ ہوں گے۔ مسیح ابن مریم کی جسمانی آمد کے عقیدہ سے جہاں تعلیم یافتہ مسلمانوں کو تعجب ہوتا ہے وہاں ان کے "مسلوب النبوّۃ" ہو کر آنے کے نظریہ کو اُمت کے اکابر علماء سراسر غلط ٹھہرا رہے ہیں۔

مقامِ تعجب ہے کہ مودودی صاحب حضرت مسیح ایسی معیاری شخصیت کے جو رَسُولًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (آل عمران : ۴۹) کے مصداق ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کے قائل ہیں مگر اُمتِ محمدیہ میں سے کسی معیاری شخصیت کے آنے کے قائل نہیں۔ جناب شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں :-

> "مودودی صاحب تو رسولِ خدا کے بعد کسی بھی انسان کو معیارِ حق ماننے کے لئے تیار نہیں لیکن کتاب وسنّت کا فیصلہ یہ ہے کہ رسولِ خدا کے بعد قیامت تک معیاری شخصیتیں آتی رہیں گی۔"

(رسالہ مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت صفحہ ۲۱)

علّامہ اقبال کی طرف سے احمدیہ نظریہ کی معقولیت کا اعتراف

علّامہ اقبال اور دوسرے جدید تعلیم یافتہ لوگ حضرت مسیح کی جسمانی آمد کے خیال کو مجوسیّت کا نظریہ ٹھہراتے ہیں اور مودودی صاحب احادیث کی بناء پر مسیح کے جسمانی طور پر آسمانوں سے اُترنے کے قائل ہیں۔ یہ دو متضاد نظریئے ہیں ہیں اور افراط و تفریط کی دو متقابل راہیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک از رُوئے قرآن مجید حضرت مسیحؑ کا آسمان پر جانا اور زندہ ہونا ثابت نہ کیا جائے تب تک اُن کے جسمانی نزول کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ودونہ خرط القتاد۔ کیونکہ قرآن مجید سے ان کی وفات ثابت ہے۔ اگر کوئی حدیث ہو جس میں مسیحؑ کے اُترنے کا ذکر آئے تو نصوصِ قرآنیہ کے مقابلہ پر ہونے کی وجہ سے اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ ابھی کل کی بات ہے کہ شیخ الازہر مفتی الدیار المصریہ جناب علّامہ محمود شلتوت نے کھلے طور پر فتویٰ دیدیا ہے کہ قرآن مجید سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ (کتاب الفتاوی مطبوعہ دسمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۵۲-۵۴)

ہم یہ فتویٰ مبحث اوّل میں درج کر چکے ہیں۔

ان سے پہلے شیخ الازہر الاستاذ المراغی المرحوم بھی فرما چکے ہیں :-

"الظاھر منہ انہ توفاہ واماتہ ثم رفعہ والظاھر من الرفع بعد الوفاۃ انہ رفع درجات عند اللہ کما قال فی ادریس علیہ السلام ورفعناہ مکاناً علیاً" (کتاب الفتاوی مطبوعہ مصر صفحہ ۴۲)

کہ آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو وفات دیکر پھر رفع فرمایا۔ اور وفات کے بعد رفع سے یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُن کے درجات بلند ہوئے جیسا کہ حضرت ادریسؑ کے متعلق آیت ورفعناہ مکاناً علیاً میں مراد ہے۔"

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ اس صورت میں جناب مودودی صاحب کا اپنے مزعومہ دعویٰ پر اصرار کہ حضرت مسیحؑ ضرور جسم سمیت آسمان سے اُتریں گے کس طرح درست اور معقول قرار دیا جا سکتا ہے؟

علّامہ اقبال نے احمدیت کی مخالفت کرتے ہوئے بھی اعتراف کیا ہے کہ :-

"جہاں تک میں نے اس تحریک کے منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعت مسیح گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہے۔ اس خیال سے اس تحریک پر ایک طرح کا عقلی رنگ چڑھ جاتا ہے۔"

(رسالہ علامہ اقبال کا پیغام ملت اسلامیہ کے نام صفحہ ۲۲-۲۳)

گویا علامہ اقبال بھی آمد مسیح کے متعلق جماعت احمدیہ کے نظریہ کو معقول قرار دیتے ہیں۔ پس مودودی صاحب کو اگر حضرت مسیح کے جسمانی نزول پر اصرار ہو تو انہیں پہلے حضرت مسیح کی جسمانی آسمانی زندگی از رُوئے قرآن مجید ثابت کرنی چاہیئے۔ جو محال ہے۔

آنے والا مسیح بہرحال نبی ہے

مودودی صاحب اس ضمن میں دوسری صریح غلطی یہ کر رہے ہیں کہ وہ مسیح کی آمد ثانی پر انہیں مسلوب النبوۃ قرار دیتے ہیں حالانکہ نبی کبھی بھی منصب نبوت سے معزول نہیں ہوتا مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ ہے ؎

وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَفِیْ اَمَانٍ
عَنِ الْعِصْیَانِ عَمْدًا وَّاعْتِزَالٍ

عہدہ نبوت کے لئے حکومتوں کے پریذیڈنٹوں کی طرح پانچ یا دس سال کی مدت مقرر نہیں ہوتی جس کے بعد نبی "سابق صدر" کی اصطلاح کے مطابق "سابق نبی" کہلانے لگ جائے۔ نبی ہمیشہ نبی ہوتا ہے اور ہر جگہ نبی ہوتا ہے۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا (مریم آیت ۳۰-۳۱) کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا اور بابرکت بنایا خواہ میں کسی جگہ ہوں اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے اس نے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وصیت کی ہے۔"

آنے والے مسیح کو النواس بن سمعانؓ کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ نبی اللہ قرار دیا ہے (صحیح مسلم) نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال لکھتے ہیں:-

"مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ فَقَدْ كَفَرَ حَقًّا كَمَا صَرَّحَ بِهِ السُّيُوْطِيُّ فَإِنَّهٗ نَبِيٌّ لَا يَذْهَبُ عَنْهُ وَصْفُ النُّبُوَّةِ فِيْ حَيَاتِهٖ وَلَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ"

کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت مسیحؑ نبوت سے علیحدہ ہو کر آئیں گے وہ کھلا کافر ہے جیسا کہ امام سیوطیؒ نے تصریح کی ہے۔ حضرت مسیحؑ بہر حال نبی ہیں وصف نبوت اُن سے نہ زندگی میں الگ ہو سکتا ہے اور نہ ان کی وفات کے بعد۔"

(حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱)

پس مودودی صاحب اپنے خیالات میں جہاں قرآن و سُنّت کے خلاف چل رہے ہیں وہاں وہ سلف صالحین کے اصولی نظریات کی مخالفت کرنے سے بھی نہیں چُوکتے معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے ایسے ہی غلط نظریات کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو لکھنا پڑا تھا کہ:۔

"مودودی صاحب کا کتاب و سُنّت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے۔ وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سُنّت کو مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں"

(کتاب مودودی دستور صفحہ ۴۶)

جماعتِ احمدیہ اور عقیدہ ختمِ نبوت

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے احمدیوں کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اِسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزّت دیں گے وہ آسمان پر عزّت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو

تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔" (کشتی نوح صفحہ ۲۳)

اس بنیادی ہدایت کی روشنی میں جماعت احمدیہ قرآن مجید پر نہایت محکم ایمان رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا ہے اسلئے ہر احمدی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ احمدیوں کو منکرِ ختم نبوت قرار دینا گویا انہیں احمدیت سے خارج قرار دینا ہے جو سراسر غلط اور غیر صحیح ہے۔ حیرت ہے کہ علماء محض عداوت کی وجہ سے یہ غیر معقول پوزیشن اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اب ہم ذیل میں حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام کی تحریرات سے تیئس اقتباس درج کرتے ہیں۔ یہ تحریرات آپؑ کی ابتدائی کتاب براہین احمدیہ سے لے کر آپؑ کے آخری مکتوب مطبوعہ اخبار عام لاہور مؤرخہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء ہی آپؑ کی تاریخ وفات ہے۔ ان اقتباسات سے ہر شخص کو معلوم ہو سکتا ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اور احمدی کس محبت، کس خلوص، کس عقیدت اور کس یقین و وثوق سے سید وُلدِ آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ ان تحریرات کی روشنی میں ہر پڑھنے والا اندازہ لگا سکتا ہے کہ غیر احمدی علماء احمدیوں کو منکرینِ ختم نبوت قرار دینے میں سراسر بے انصافی اور ظلم کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) "سُبحان اللہ ثم سُبحان اللہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں۔ اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناچیز خادم جس کی ادنیٰ سے ادنیٰ امت، جس کے حقیر سے حقیر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّكَ وَحَبِیْبِكَ وَ اَفْضَلِ الرُّسُلِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔"

(براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ ۱۸۸۰ء)

(۲) "ہمارا اعتقاد جو ہم دنیاوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ بفضل و توفیق باری تعالےٰ اس عالمِ گزران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھوں اکمالِ دین

ہو چکا۔ اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی۔ جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔"

(ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۱۳۷ مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

(۳) "میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ ایسا ہی میں ملائکہ اور معجزات، لیلۃ القدر وغیرہ کا قائل ہوں۔"

(تقریر واجب الاعلان صفحہ ۵ مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

(۴) "اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہمارے رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تمام رسولوں سے بہتر اور سب رسولوں سے افضل اور خاتم النبیین ہیں اور افضل ہیں ہر ایسے انسان سے جو آئندہ آئے یا جو گزر چکا ہو۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸۲ مطبوعہ ۱۸۹۲ء)

(۵) "تمام تعریفیں خدا کے لئے ثابت ہیں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ اور درود و سلام اس کے نبیوں کے سردار پر جو اس کے دوستوں میں سے برگزیدہ اور اس کی مخلوقات اور ہر ایک پیدائش میں سے پسندیدہ اور خاتم الانبیاء اور فخر الاولیاء ہے۔ ہمارا سید، ہمارا امام، ہمارا نبی محمد مصطفیٰ جو زمین کے باشندوں کے دل روشن کرنے کے لئے خدا کا آفتاب ہے۔"

(نور الحق صفحہ ۱ مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

(۶) "وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء، امام الاصفیاء، ختم المرسلین، فخر النبیین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتدائے دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔"

(اتمام الحجۃ صفحہ ۲۸ مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

(۷) "مجھے اللہ جلشانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے اور ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی نسبت میرا ایمان ہے۔" (کرامات الصادقین ص۲۵ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

(۸) "مجھ کو خدا کی عزت و جلال کی قسم کہ میں مسلمان ہوں اور ایمان رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر اور تمام رسولوں اور تمام فرشتوں اور مرنے کے بعد زندہ کئے جانے پر اور میں ایمان رکھتا ہوں اس پر کہ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل اور خاتم النبیّین ہیں۔" (حمامۃ البشریٰ ص۸ مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

(۹) "درود و سلام تمام رسولوں سے بہتر اور تمام برگزیدوں سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ خاتم الانبیاء اور شفیع المذنبین اور تمام اوّلین و آخرین کے سردار ہیں۔ اور آپ کی آل پر کہ طاہر و مطہر ہیں۔ اور آپ کے اصحاب پر کہ حق کا نشان اور اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں اہل جہان کے لئے۔"

(انجام آتھم ص۷۲ مطبوعہ ۱۸۹۶ء)

(۱۰) "اگر دل سخت نہیں ہو گئے تو اس قدر دلیری کیوں ہے کہ خواہ مخواہ ایسے شخص کو کافر بنایا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنے کی رُو سے خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اور قرآن کو خاتم الکتب تسلیم کرتا ہے۔ تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور اہل قبلہ ہے۔ اور شریعت کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے۔" (سراج منیر ص۳ مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

(۱۱) "ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہلسنت کے قائل ہیں۔" (کتاب البریہ حاشیہ ص۸۳ مطبوعہ ۱۸۹۸ء)

(۱۲) "قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خاتم النبیین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرتؐ نے لا نبیّ بعدی فرما کر اس امر کا فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا۔" (کتاب البریہ حاشیہ ص۱۸۵)

(۱۳) "قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں مگر ہمارے مخالف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاتم الانبیاء ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو صحیح مسلم وغیرہ میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے وہاں حقیقی نبوت مراد ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب وہ اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خاتم الانبیاء ٹھہر سکتے ہیں؟" (کتاب البریہ حاشیہ صہ ۱۹۱ مطبوعہ ۱۸۹۸ء)

(۱۴) "ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔"
(ایام الصلح صہ ۸۶ مجریہ ۱۸۹۹ء)

(۱۵) "قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا۔"
(اربعین نمبر ۲ صہ ۲۴ مطبوعہ ۱۹۰۰ء)

(۱۶) "ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔" ("ایک غلطی کا ازالہ" مطبوعہ ۱۹۰۱ء)

(۱۷) "عقیدے کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔" (کشتی نوح صہ ۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

(۱۸) "ایک وہ زمانہ تھا کہ انجیل کے واعظ بازاروں اور گلیوں اور کوچوں میں نہایت دریدہ دہنی اور سراسر افتراء سے ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء اور افضل الرسل والاصفیاء اور سید المعصومین والاتقیاء حضرت محبوب جناب احدیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ قابل شرم جھوٹ بولا کرتے تھے کہ جناب سے کوئی پیشگوئی یا معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ اور اب یہ زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے علاوہ اُن ہزارہا معجزات کے جو ہمارے سرور و مولیٰ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف اور احادیث میں اس کثرت سے

مذکور ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تواتر پر ہیں، تازہ بتازہ صدہا نشان ایسے ظاہر فرماتے ہیں کہ کسی مخالف اور منکر کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔"
(تریاق القلوب ص۳ مجریہ ۱۹۰۲ء)

(۱۹) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوت صرف اسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مُہر رکھتا ہوگا۔ اور اس طرح پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپ کا وارث ہوگا۔"
(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی ص۶ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

(۲۰) "صرف اُس نبوت کا دروازہ بند ہے جو احکامِ شریعت جدیدہ ساتھ رکھتی ہو، یا ایسا دعویٰ ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے الگ ہو کر دعویٰ کیا جائے۔ لیکن ایسا شخص جو ایک طرف اس کو خدا تعالیٰ اس کی وحی میں اُمتی بھی قرار دیتا ہے، پھر دوسری طرف اس کا نام نبی بھی رکھتا ہے یہ دعوے قرآن شریف کے احکام کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ نبوت بباعث اُمتی ہونے کے دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ظل ہے کوئی مستقل نبوت نہیں۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۷۷-۱۷۸)

(۲۱) "ہم مسلمان ہیں ایمان رکھتے ہیں خدا تعالیٰ کی کتاب فرقان حمید پر اور ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی اور اس کے رسول ہیں اور وہ سب دینوں سے بہتر دین لائے۔ اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔" (مواہب الرحمٰن ص۶۶ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

(۲۲) "پانچواں ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا ہے وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سیّد و مولیٰ ختمی پناہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے۔" (لیکچر لاہور ص۳۱ مطبوعہ ۱۹۰۴ء)

(۲۳) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف

خاتم الکتب ۔" (پیغام امام صفحہ ۳ لیکچر ۱۹۰۵ء)

(۲۴) "مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افترائے عظیم ہے۔ ہم جس قوت، یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین رکھتے ہیں اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے ۔" (الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۵ء)

(۲۵) "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو۔"

(تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۶ مطبوعہ ۱۹۰۶ء)

(۲۶) "ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

(۲۷) "وانّ نبیّنا خاتم الانبیاء ولا نبیّ بعدہٗ الّا الّذی ینوّر بنورہٖ ویکون ظہورہ ظلّ ظہورہٖ۔" (الاستفتاء صفحہ ۲۱ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

(۲۸) "اللہ جلّشانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی۔ اسی وجہ سے آپؐ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپؐ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپؐ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

(۲۹) "خدا اُس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے۔" (چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۴ مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

(۳۰) "یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی

کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے .... اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالےٰ کی ہمکلامی سے مشرّف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیّت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے .... ان معنوں سے میں نبی بھی ہوں اور اُمّتی بھی تا کہ ہمارے سیّد و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح اُمّتی بھی ہوگا اور نبی بھی ہوگا - ورنہ وہ حضرت عیسٰی جن کے دوبارہ آنے کے بارے میں ایک جھوٹی اُمید اور جھوٹی طمع لوگوں کو دامنگیر ہے وہ اُمّتی کیونکر بن سکتے ہیں - کیا آسمان سے اُتر کر نئے سرے وہ مسلمان ہوں گے - کیا اس وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء نہیں رہیں گے ؟" (مکتوب نوشتہ ۲۳ رمئی ۱۹۰۸ء مطبوعہ اخبار عام لاہور ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء)

آیت خاتم النبیّین کا شانِ نزول اور معنے

یاد رہے کہ لفظ خاتم النبیّین سورۂ احزاب کی آیت ۴۰ میں وارد ہوا ہے - ساری آیت یوں ہے - مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ٥ اس کا لفظی ترجمہ یوں ہے "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ رسول اللہ اور خاتم النبیّین ہیں - اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے "

مفسرین اور مؤرخین متفق ہیں کہ یہ آیت سنہ پانچ ہجری میں حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے اور پھر حضرت زینبؓ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کر لینے کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ مودودی صاحب بھی لکھتے ہیں :-

"اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اُن کفار و منافقین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر طعن و تشنیع اور بہتان و افتراء کے طوفان اُٹھا رہے تھے .... ان کا اوّلین اعتراض یہ تھا کہ آپؐ نے اپنی بہو سے نکاح کیا ہے حالانکہ آپؐ کی اپنی شریعت میں بھی بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں یعنی جس شخص کی مطلقہ سے نکاح کیا گیا ہے وہ بیٹا تھا کب کہ اس کی مطلقہ سے نکاح حرام ہوتا ؟ تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں" (ختم نبوت ص۶)

ہمارے نزدیک جناب مودودی صاحب کے بیان کا یہ حصہ بالکل درست ہے آیت کے اگلے حصے کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

"پہلے فقرے کے بعد ولٰکن (مگر) کے لفظ سے دوسرا فقرہ شروع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے فقرے میں مخاطب کی ایک بات کا جواب ہو جانے کے باوجود اس کا ایک سوال یا اعتراض باقی رہ گیا تھا جس کا جواب دوسرے فقرے میں دیا گیا ہے" (حاشیہ ص۸)

اس حد تک درست نتیجہ پر پہنچنے کے بعد آگے مودودی صاحب کی ٹھوکر کا باعث یہ ہے کہ انہوں نے باقی رہ جانے والے "سوال یا اعتراض" کو قرآن مجید کی آیات سابقہ کی روشنی میں متعین نہیں کیا اور محض قیاسی ڈھکوسلے سے اگلے حصۂ آیت 'ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین' کو اپنے فرضی سوالوں کا جواب قرار دیدیا ہے کہ "آخر اس نکاح کا کرنا کیا ضرور تھا اور ایسا نہ کرنے میں کیا قباحت تھی ؟"

اگر مودودی صاحب قرآن پاک پر تدبر فرماتے تو اس تکلف اور تعصب کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ بات بالکل واضح تھی اور سیاق وسباق معین طور پر نمایاں تھا۔

یہ درست ہے کہ کلمہ "لکن" استدراک کے لیے آتا ہے (دَفْعُ تَوَهُّمٍ نَاشِئٍ عَنْ كَلَامٍ سَابِقٍ) یعنی گزشتہ کلام سے پیدا ہونے والے سوال یا اعتراض کا ازالہ کرنے کے لیے۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ سابقہ قرآنی آیات کے مطابق کفار و منافقین کے کس اعتراض کا جواب دوسرے حصۂ آیت "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" میں دیا گیا ہے اور وہ جواب کیا ہے؟ بات یوں ہے کہ مکی زندگی میں کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہتے تھے۔ لکھا ہے:-

"کہتے تھے کا فر اس شخص کے بیٹا نہیں۔ زندگی تک اس کا نام ہے پیچھے کون نام لے گا؟" (موضح القرآن)

اس پر آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ نازل ہوئی۔ کہ تیرا دشمن ہی ابتر رہے گا تجھے تو اللہ تعالیٰ اولاد کثیر عطا کرے گا۔ جلالین میں لکھا ہے:-

"نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ سَمَّى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْتَرَ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ الْقَاسِمِ"

کہ یہ آیت عاص بن وائل کے متعلق اس وقت نازل ہوئی تھی جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے صاحبزادہ قاسمؓ کی وفات کے موقع پر ابتر کہا تھا" (جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۷۷)

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیے کہ سورۂ احزاب کی آیت ۵ میں اعلان کیا جا چکا تھا اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ کہ "پیغمبر مومنوں کا اُن کی جانوں سے بھی زیادہ خیر خواہ ہے اس کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں"

ظاہر ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام کی بیویاں مومنوں کی مائیں ٹھہریں تو آپ لامحالہ مومنوں کے باپ قرار پائے۔

اب آگے چل کر حضرت زیدؓ کی مطلقہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی کرنے

پر کفار و منافقین کے جواب میں فرما دیا کہ :-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

"یعنی تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں"

اس بیان سے بہو سے شادی کر لینے کے اعتراض کا جواب تو بخوبی ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ دو سوال ابھر کر سامنے آ گئے :-

(۱) شروع سورۂ احزاب کی آیت وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ میں بوجہ نبی ہونے کے آپ کو مومنوں کا باپ قرار دیا گیا تھا۔ اب جب آپ کسی کے باپ نہیں تو کیا پھر آپ کی نبوت و رسالت بھی جاری رہی ؟

(۲) مکہ میں دشمن آپ کو ابتر اور بے اولاد کہتے تھے قرآن مجید نے ان کی تردید کی تھی مگر اب خود ہی تسلیم کر لیا ہے کہ آپ کا کوئی بیٹا نہیں۔ کیا دشمنوں کا اعتراض درست ثابت ہو گیا ؟

ان دو اعتراضوں کے جواب میں خداوند عزّوجلّ فرماتے ہیں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ یعنی پہلے حصۂ آیت میں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی ابوّت کی نفی کی ہے اور یہ کہا ہے کہ جسمانی طور پر آپ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن روحانی ابوّت بدستور قائم ہے اور اس کا دائرہ زمانی اور مکانی طور پر بھی اور بلحاظ رتبہ و شرف بھی، بہت وسیع ہے۔ پہلے لفظ رَسُوْلَ اللّٰهِ میں اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ والی روحانی ابوّت کو ثابت فرمایا ہے کیونکہ ہر رسول اپنی اُمّت کا باپ ہوتا ہے اور اُس کی اُمّت کے قائم رہنے سے اس کا نام باقی رہتا ہے۔ دوسرے لفظ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں اس بلند ترین روحانی ابوّت کا اثبات فرمایا گیا ہے جو آیت اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اور آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ میں ذکر کی گئی تھی۔ گویا فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی اُمّت کے عام افراد کے ہی باپ نہیں بلکہ آپ نبیوں کے بھی باپ اور اُن کو بھی روحانی زندگی بخشنے والے ہیں۔ پس اگر آپ کا جسمانی بیٹا کوئی نہیں تو کچھ حرج نہیں آپ کی روحانی اولاد

بے شمار ہے - آپؐ کی روحانی اولاد بلند ترین منصب کی وارث ہے کیونکہ آپؐ رسول اور خاتم النبیین ہیں -

یہ تفسیر نہایت واضح اور سیاق و سباق کے عین مطابق ہے لیکن شاید اہل زیغ کے لئے اسلئے قابلِ تسلیم نہ ہو کہ اس کا بیان کرنے والا ایک احمدی ہے لہذا ہم ذیل میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے الفاظ درج کرتے ہیں - آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"حاصل مطلب آیت کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوّتِ معروفہ تو رسول اللہ صلعم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوّتِ معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے - انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے کیونکہ اوصاف معروض و موصوف بالعرض موصوف بالذات کے فرع ہوتے ہیں - موصوف بالذات اوصاف عرضیہ کی اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل - اور ظاہر ہے کہ والد کو والد اور اولاد کو اولاد اسی طرح سے کہتے ہیں کہ یہ اس سے پیدا ہوتے ہیں - وہ فاعل ہوتا ہے - چنانچہ والد کا اسم فاعل ہونا اس کا شاہد ہے - اور یہ مفعول ہوتے ہیں - چنانچہ اولاد کو مولود کہنا اس کی دلیل ہے - سو جب ذاتِ بابرکات محمدی صلعم موصوف بالذات بالنبوۃ ہوئی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض تو یہ بات اب ثابت ہو گئی کہ آپؐ والد معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپؐ کے حق میں بمنزلہ اولاد معنوی -" (رسالہ تحذیر الناس صفحہ ۱۰)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی اس پاکیزہ اور معقول وضاحت کے بعد اب ذرا مودودی صاحب کی بے تکی تنقید ملاحظہ ہو - لکھتے ہیں :-

"آخر اس بات کا کیا تک ہے کہ اوپر سے تو نکاحِ زینبؓ پر معترضین کے اعتراضات اور ان کے پیدا کئے ہوئے شکوک و شبہات کا جواب دیا جا رہا ہو اور یکایک یہ بات کہہ ڈالی کہ محمدؐ نبیوں کی مُہر ہیں اور آئندہ جو بھی

بھی بنے گا اُن کی مُہر لگ کر بنے گا۔ اِس سیاق و سباق میں یہ بات
نہ صرف یہ کہ بالکل بے تکی ہے بلکہ اس سے وہ استدلال اُلٹا کمزور ہوا
جاتا ہے جو اُوپر سے معترضین کے جواب میں چلا آرہا ہے۔" (رسالہ ختم نبوت ص۹)
افسوس کہ مودودی صاحب اتنی موٹی بات نہیں سمجھ سکے کہ کفار کے اس اعتراض کے
جواب میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے۔ جب
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی مرد کے باپ نہیں تو آپ کی روحانی
ابوّت کے اثبات کا سوال فوراً پیدا ہو گیا تھا اور یہی موقع تھا کہ بتایا جاتا کہ گو جسمانی طور پر آپؐ
کسی مرد کے باپ نہیں مگر مت سمجھو کہ اب آپ کا نام کون لے گا، آپؐ کی تعریف کون کریگا؟
کیونکہ آپؐ کو روحانی ابوّت کے لحاظ سے صاحب الکوثر ہونے کا مقام حاصل ہے۔
سب اہلِ ایمان آپؐ کے رسول ہونے کے لحاظ سے آپؐ کے فرزند ہیں اور سب انبیاء
بھی آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے آپؐ کی معنوی اولاد ہیں اور یہ سلسلہ بند نہیں
بلکہ آپؐ کی مُہر اور روحانی توجہ اور قوتِ قدسیہ ہمیشہ نبی تراش ثابت ہوتی رہے گی۔
پس آپؐ کا محمد (قابلِ تعریف وجود) ہونا اس بات کا محتاج نہیں کہ آپؐ کا جسمانی
بیٹا ہو۔ آپؐ کی محمدیت کو اللہ تعالیٰ آپ کے رسول اللہ اور خاتم النبیین ہونے سے ثابت
کرتا رہے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خاتم الانبیاء کے اسی مفہوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنے ہیں
کہ آپؐ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوت
صرف اسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مُہر رکھتا ہو گا۔
اور اس طرح پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپؐ کا وارث ہو گا۔
غرض اس آیت میں ایک طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کی
نفی کی گئی اور دوسرے طور سے باپ ہونے کا اثبات بھی کیا گیا تا وہ
اعتراض جس کا ذکر آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ میں ہے دُور کیا جائے۔

ماحصل اس آیت کا یہ ہوا کہ نبوت گو بغیر شریعت ہو اس طرح پر تو منقطع ہے کہ کوئی شخص براہِ راست مقامِ نبوت حاصل کر سکے لیکن اس طرح پر ممتنع نہیں کہ وہ نبوت چراغِ نبوتِ محمدیہ سے مکتسب اور مستفاض ہو۔ یعنی ایسا صاحبِ کمال ایک جہت سے تو اُمّتی ہو اور دوسری جہت سے بوجہ اکتساب انوارِ محمدیہ نبوت کے کمالات بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔" (ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی صفحہ ۷)

ہمارے نزدیک یہ مودودی صاحب کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ سورۂ احزاب کے خاتم النبیین والے رکوع کو صرف حضرت زینبؓ کے نکاح پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات تک محدود سمجھتے ہیں حالانکہ ان آیات میں دیگر معارف و حقائق کا بھی ایک بحرِ زخّار موجود ہے۔ مودودی صاحب کے نزدیک خاتم النبیّین کے معنے صرف آخری نبی لینے اسلئے لازمی ہیں کیونکہ اسے متبنّیٰ کی رسم کے ابطال کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ چونکہ آپؐ کے بعد اور کوئی نبی آنے والا نہ تھا اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لازم تھا کہ اپنے اعلان کے علاوہ اپنے عمل سے یعنی حضرت زینبؓ سے شادی کر کے بھی اس رسم کو باطل کریں اور لوگوں کے دلوں سے کراہت کے ہر تصور کا قلع قمع کر دیں"۔ مَیں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اس تعبیر و تفسیر کو من و عن مان لینے سے بھی اتنا ہی ثابت ہوگا کہ آپؐ آخری صاحبِ شریعت نبی ہیں کیونکہ نئے احکام جاری کرنا صرف صاحبِ شریعت نبی کا کام ہے اُمّتی نبی کا کام نہیں۔ پس خاتم النبیّین کے معنے مودودی صاحب کے اختراعی سیاق و سباق کے رُو سے یہی ہوں گے کہ آپؐ کے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی آنے والا نہ تھا اس سے اُمّتی نبی کی نفی لازم نہیں آتی۔ خاتم النبیّین کا یہ مفہوم، یعنی شارع نبیوں میں سے آخری نبی، اگرچہ لفظ خاتم النبیّین کے جامع معنوں پر حاوی ہونے کے لحاظ سے نا تمام ہے مگر ہمیں یہ بھی مسلّم ہے کیونکہ اُمّت کے علماءِ محققین کا ایک عظیم گروہ ان معنوں کی بھی تائید کرتا آیا ہے۔ جماعت احمدیہ کا اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شارع نبی ہیں، آپؐ کی شریعت ہمیشہ قائم رہے گی اور آپؐ کے بعد کوئی شارع یا مستقل نبی نہ آسکتا ہے، نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ صرف ایسے نبی اُمّتِ محمدیہ میں سے آسکتے ہیں جنہوں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے یہ مقام حاصل کیا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کے رُو سے خاتم النبیّین کی تفسیر

قرآن مجید سے صاف طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی اُمّت میں سے اصلاحِ خلائق کے لئے آپؐ کے امتی نبی آتے رہیں گے۔ آیاتِ ذیل پر غور فرمایا جائے:۔

(۱) اللہ تعالیٰ اپنی سنّتِ مستمرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ (الحج: ۷۵)

کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی رسول منتخب کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ کیونکہ وہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت میں لفظ یَصْطَفِیْ مضارع ہے جو استمراری طور پر حال اور مستقبل کے لئے مستعمل ہُوا ہے جیسے ایک شاعر کہتا ہے ؎

اَوَکُلَّمَا وَرَدَتْ عُکَاظَ قَبِیْلَۃٌ
بَعَثُوْا اِلَیَّ عَرِیْفَھُمْ یَتَوَسَّمُ

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی سنّت مذکور ہے کہ وہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب فرماتا رہتا ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا۔ کہ خدا کی سنّت میں تبدیلی نہیں ہے۔ فرشتوں کا بھیجا جانا آج بھی سب مسلمانوں کو مسلّم ہے مگر تعجب ہے کہ وہ انسانوں میں سے کسی کے رسول بنائے جانے پر اعتراض کر رہے ہیں۔

(۲) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (الاعراف: ۳۶)

کہ اے آدم زادو! جب بھی تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور تم پر میری آیات پڑھیں تو یاد رکھو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور اصلاح

کریں گے اُن پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

اِس آیت میں یہ بشارت ہے کہ جب تک آدمزاد موجود ہیں اور صفحۂ زمین انسانوں سے آباد ہے ان میں نبی اور رسول آتے رہیں گے اور انسانوں کا فرض ہے کہ ان پر ایمان لائیں۔

یاد رہے کہ اسی سورۃ میں آیت ۲۶، اور ۲۷ اور ۳۱ میں لفظ بنی آدم استعمال ہوا ہے اس سے ہر جگہ ساری نسلِ آدم مراد ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو درحقیقت اِس سے وہی لوگ مراد ہیں جو نزولِ قرآن مجید کے وقت اور اس کے بعد موجود تھے یا ہونے والے تھے۔ ایک آیت میں فرمایا یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ o کہ اے آدمزادو! ہر مسجد میں اپنی زینت لیکر جاؤ، کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اِس بنی آدم سے حضرت آدمؑ کے وقت کی اُن کی اولاد مخاطب تھی؟ پس آیت یا بنی آدم اِمّا یاتینّکم رسلٌ منکم میں اصل خطاب آئندہ کے انسانوں سے ہے۔ ہاں عمومی رنگ میں پہلے بھی شامل کئے جا سکتے ہیں، مگر بہرحال اس کی تو ہرگز گنجائش نہیں کہ بنی آدم سے مراد صرف پہلے کے انسان ہوں گویا بعد کے انسان آدمزاد ہی نہیں۔ حضرت امام سیوطیؒ یا بنی آدم کے متعلق لکھتے ہیں:۔

فَاِنَّہٗ خِطَابٌ لِاَھْلِ ذَالِکَ الزَّمَانِ وَلِکُلِّ مَنْ بَعْدَہٗ۔ کہ اس میں سب زمانوں کے لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے۔" (اتقان جلد ۲)

۳) وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ o (البقرہ: ۱۲۴)

یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ کی اس کے رب نے چند اوامر کے ذریعہ آزمائش کی اور حضرت ابراہیمؑ نے انہیں ٹھیک ٹھیک پورا کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! میں تجھے لوگوں کے لئے امام بناتا ہوں تو اب سے ہمارا نبی اور رسول ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اے خداوند! میری اولاد میں بھی یہ سلسلۂ امامت جاری رکھیو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاں مگر ظالموں سے میرا یہ عہد نہیں ہے۔"

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی نسل کے لئے اسی امامت کا وعدہ فرمایا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اِس جگہ امامت سے مراد نبوّت ہی ہے۔ لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور قرآن مجید میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ (عنکبوت : ۲۷) کہ ہم نے نسلِ ابراہیمؑ میں نبوّت کو جاری کیا۔"

اِس آیت کی رُو سے جب تک نسلِ ابراہیم رُوئے زمین پر آباد ہے اور وہ ساری کی ساری ظالمین کے گروہ میں شامل نہیں ہو جاتی ان میں سلسلۂ انبیاء ورسل جاری رہنا ضروری ہے۔

اگر مسلمان غور کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف میں کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اور کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ کے الفاظ خاص طور پر کیوں مقرر فرمائے ہیں ان کی کیا حکمت ہے؟ تو وہ فوراً سمجھ سکتے ہیں کہ اب چونکہ جملہ ابراہیمی وعدوں اور برکات کی وارث اُمّتِ محمدیہ ہی ہے اور ان سے باہر کے گروہ ظالمین میں شامل ہو گئے ہیں اسلئے اب یہ نعمت اور یہ امامتِ ابراہیمی صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متّبعین کے لئے مخصوص ہے۔ باقی لوگ اِس نعمت کے پانے سے محروم ہیں مگر حضرت خاتم النبیّینؐ کے پیرو امامتِ ابراہیمی کے انعام کو پاتے رہیں گے۔

(۴) یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا ۝ (احزاب : ۴۶-۴۷)

ترجمہ۔ اے نبی! ہم نے تجھے شاہد بنا کر بھیجا ہے، تُو مبشّر اور نذیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے اِذن سے اس کی طرف بُلانے والا ہے اور تجھے روشن کرنے والا چراغ بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ پس تُو مومنوں کو بشارت دے کہ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضلِ کبیر مقرر ہے۔"

خاتم النبیین کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اِسی سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمّت کے مقام کی وضاحت کرتے ہوئے آپؐ کو سراجاً منیراً ٹھہرایا ہے آپؐ ایسے روشن چراغ ہیں جس سے تمام آفاق میں نور پھیلے گا اور آپؐ اپنے اُمتیوں کو منوّر کرینگے۔

لفظ سراجاً منیراً کے متعلق امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی لکھتے ہیں :۔

"قَالَ الْقَاضِی اَبُوْبَکْرِ بْنِ الْعَرَبِیِّ قَالَ عُلَمَاؤُنَا سُمِّیَ سِرَاجًا لِأَنَّ السِّرَاجَ الْوَاحِدَ یُؤْخَذُ مِنْهُ السُّرُجُ الْکَثِیْرَۃُ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ ضَوْئِہٖ شَیْءٌ ۔"

ترجمہ۔کہ قاضی ابوبکر بن العربی کہتے ہیں کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج (چراغ) اسلئے قرار دیا گیا کہ ایک چراغ سے صدہا دوسرے چراغ روشن کئے جاسکتے ہیں مگر اصل چراغ کی روشنی میں اس سے کوئی کمی نہیں آتی۔" (زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد ۳ ص۱۷۱)

عام لوگ تو لفظ خاتم النبیین کو افضالِ ربانیہ کے انقطاع کے لئے بطور دلیل ذکر کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراجاً منیراً قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِأَنَّ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا ۰ (احزاب) کہ آپ اپنے اُمتی مومنوں کو بشارت دیدیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضلِ کبیر (بڑا فضل) مقرر ہے۔

(۵) اُمتِ محمدیہ کے لئے جو فضلِ الٰہی مقرر ہے اس کی تشریح خود اللہ تعالیٰ نے فرما دی فرمایا:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۰ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ۰ (النساء)

ترجمہ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرینگے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے یعنی ان کے ہم پایہ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے پہلے انعام فرمایا ہے یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ہم درجہ ہوں گے۔ یہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔"

اس آیت پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اُمتِ محمدیہ کے درجات و مراتب کا

بیان ہے۔ گویا سورۂ احزاب میں مسلمانوں کو جس فضل کی بشارت دی گئی ہے وہ یہی چار درجات ہیں جو سورۂ نساء میں بیان ہوئے ہیں۔ اسی لئے ان کے ذکر کے فوراً بعد فرمایا ہے ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ کہ یہی موعود فضل الٰہی ہے جس کا وعدہ مومنین اُمتِ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ احزاب میں دیا گیا تھا۔ آیت خاتم النبیین کے آخر پر وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْماً لایا گیا ہے اور آیت مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ کے آخر پر بھی اسی کے ہم معنی کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْماً ذکر ہوا ہے تا صاف دلالت ہو کہ اس آیت میں خاتمیتِ محمدیہ کی تشریح کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و افضال کا ذکر ہے جو آپ کی اُمت کے لئے علیٰ قدرِ مراتب مقرر ہیں۔

امام راغبؒ اپنی کتاب المفردات فی غریب القرآن میں لکھتے ہیں:۔

"مَعَ یَقْتَضِی الْاِجْتِمَاعَ اِمَّا فِی الْمَکَانِ نَحْوُھُمَا مَعاً فِی الدَّارِ اَوْ فِی الزَّمَانِ نَحْوُ وُلِدَا مَعاً اَوْ فِی الْمَعْنٰی کَالْمُتَضَایِفَیْنِ نَحْوُ الْاَخِ وَالْاَبِ فَاِنَّ اَحَدَھُمَا صَارَ اَخاً لِلْاٰخَرِ فِیْ حَالِ مَا صَارَ الْاٰخَرُ اَخَاہُ وَاِمَّا فِی الشَّرَفِ وَالرُّتْبَۃِ نَحْوُھُمَا مَعاً فِی الْعُلُوِّ" (المفردات زیر لفظ مَعَ ص۴۸۶)

کہ لفظ مَعَ اجتماع کا متقاضی ہے اور یہ اجتماع چار طرح سے ہو سکتا ہے

(۱) دونوں ایک مکان میں اکٹھے ہوں (۲) دونوں ایک زمانہ میں اکٹھے ہوں۔

(۳) دونوں ایک اضافی معنی میں شریک ہوں (۴) دونوں ایک درجہ اور مرتبہ میں یکساں ہوں۔"

ظاہر ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے لئے سابق نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ زمانی اور مکانی معیت حاصل نہیں تھی۔ سابق منعم علیہم لوگوں کے ساتھ اُمتِ محمدیہ کی معیت صرف درجہ اور مرتبہ میں یکسانیت والی ہی ہو سکتی ہے۔ اسی قسم کی معیت آیت قرآنی وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران: ۱۹۴) میں بھی مراد ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں نیک ہونے کی صورت میں موت دیجیو۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ جب کوئی نیک مرنے لگے تو ہماری بھی روح

قبض کر لیجیو۔ چونکہ آیت وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ میں خیرِ اُمّت کے مراتب اور مناقب کا ذکر ہے اس فضل کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کے لیے مقرر فرمایا ہے اسلیئے اس جگہ اشتراکِ رتبہ کے معنے ہی ہو سکتے ہیں۔ اگر کہو کہ نبی کوئی نہیں بن سکتا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اُمّت میں سے کسی کے صالح، شہید اور صدیق بننے کا بھی امکان نہیں کیونکہ مَعَ کا لفظ تو سب کے ساتھ ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مَعَ کے موقع کے لحاظ سے مختلف معنے ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ مختلف معنوں میں آیا ہے جس سے بعض لوگوں کو غلطی لگ جاتی ہے لیکن لفظ مَعَ لغت اور آیات کی رُو سے اشتراک فی الرتبہ کے معنے بھی رکھتا ہے اور آیت زیرِ نظر میں اِن معنی کے سوا کوئی معنے چسپاں نہیں ہو سکتے۔ ہماری اس تشریح سے جناب مودودی صاحب ایسے لوگوں کی غلطی بالکل عیاں ہو جاتی ہے جو اس آیت کے جواب میں آیات مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ پیش کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا قیاس مع الفارق ہے۔

(۷) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (سورہ فاتحہ)

"اے اللہ! تو ہمیں صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرما اور ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ ان کی راہ سے بچا۔ جو مغضوب علیہم یا ضالین تھے۔"

اس آیت میں اُمّتِ محمدیہ کو مغضوب علیہم اور ضالین کی راہ سے بچنے اور منعم علیہم کی راہ پر چلنے کی دعا سکھلائی گئی ہے۔ احادیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مروی ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ یعنی جب ان دونوں پر روحانی زوال آیا تو وہ مغضوب علیہم اور ضالین بن گئے ورنہ پہلے وہ انعام پانے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ

اَنْبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا (المائدہ: ۲۰) کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا کئے اور اس نے تمہیں بادشاہت عطا کی۔

دونوں آیتوں پر یکجائی نظر کرنے سے صاف کھل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی خود تعلیم کردہ دعا میں دراصل مسلمانوں کو بشارت دی ہے کہ تم پر بھی بادشاہت اور نبوت کا انعام جاری رہے گا کیونکہ یہ دونوں قومی انعام ہیں اور اب تم کو اللہ تعالیٰ نے منعم علیہم بنانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ تم خیر امت ہو اور حضرت خیر الرسلؐ کے ماننے والے ہو اسلئے اب تم کو ہی یہ انعام ملتا رہے گا۔ البتہ یہ دعا کرتے رہو کہ خدایا ہمیں منعم علیہم بننے کے بعد پھر کبھی یہود و نصاریٰ کی طرح مغضوب علیہم یا ضالین نہ بنائیو۔

(۷) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ٥ (آل عمران: ۸۱)

ترجمہ۔ "یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ میں نے ہی تم کو کتاب اور حکمت دی ہے۔ پس اگر کوئی رسول تمہاری تعلیمات کا مصدق تمہارے پاس آئے تو اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور نصرت کرنا۔ فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

اس آیت میں نبیوں سے عہد لینے کا ذکر ہے۔ مراد یہی ہے کہ ہر نبی کے ذریعہ اسکی امت سے اقرار لیا گیا کہ آنے والے پیغمبر پر ایمان لائے اور اس کی تائید و نصرت کرے۔ اس آیت میں "رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ" سے مطلق طور پر نبوّا!!

رسول مراد ہے اور اس طرح یہ آیت صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ ہر نبی کے بعد نبی کا آنا ممکن ہے اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

ہاں اس آیت میں "رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ" میں تنکیر کو تفخیم شان کے لئے بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور معنے یہ ہوں گے کہ اس میں سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے سب اُمتیں آپؐ پر ایمان لانے کی مکلف ہیں۔ آپؐ کے بعد کے انبیاء آپؐ کے اظلال ہیں اور اس صورت میں آپؐ کے وجود باجود میں ہی شامل ہوں گے۔ اس صورت میں یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ آنحضرت تمام نبیوں کے مصدق ہیں جنہیں دوسری جگہ خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے۔ گویا قرآن مجید سے متعین ہو گیا کہ خاتم النبیین کے معنے مصدق النبیین کے ہیں وھو المراد۔

(۸) وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوحٍ وَّ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ○ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ○ (احزاب : ۷-۸)

ترجمہ۔ یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے ان کا پختہ عہد لیا اور تجھ سے بھی، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے بھی۔ ہم نے سب سے مضبوط عہد لیا تاکہ اللہ تعالیٰ صادقوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے۔ اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔"

اس آیت میں صراحت سے فرمایا ہے کہ جن انبیاء سے میثاق لیا گیا اُن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ سورۂ آل عمران والی آیت کو ساتھ ملا کر تدبر کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کے ذریعہ بھی یہ عہد لیا گیا ہے کہ مسلمان آنے والے نبیوں پر ایمان لاتے ہیں ورنہ سورۂ احزاب کی آیت میں "وَمِنْكَ" کے الفاظ بے معنی قرار پاتے ہیں۔ ——— مشہور تفسیر حسینی میں اس کے معنے یوں لکھے ہیں:۔

"وَإِذْ أَخَذْنَا۔ یاد رکھو کہ لیا ہم نے۔ مِنَ النَّبِيِّينَ نبیوں سے۔

مِیْثَاقَهُمْ عہد اُن کا اس بات پر کہ خدا کی عبادت کریں اور خدا کی عبادت کی طرف بُلائیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ یا ہر ایک کو بشارت دیں اُس پیغمبر کی کہ ان کے بعد ہوگا۔ اور یہ عہد پیغمبروں سے روزِ الست میں لیا گیا۔ وَمِنْكَ اور لیا ہم نے تجھ سے بھی عہد اے محمدؐ"

(تفسیر حسینی اردو مطبوعہ نولکشور جلد ۲ صفحہ ۲۵۶)

(۹) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۤءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (آل عمران : ۱۷۹)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو۔ بلکہ وہ طیّب و خبیث میں امتیاز کرتا ہے گا۔ مگر وہ تم کو (براہِ راست) غیب پر مطلع نہ کرے گا لیکن وہ جس کو چاہے گا اپنے رسول کے طور پر منتخب کرے گا۔ تم اے مسلمانو! اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہوگا۔"

قارئینِ کرام! اس آیت میں مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم اور ساری اُمتِ مسلمہ ہے۔ یہ خطاب پہلی قوموں سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ خبیث اور طیّب میں امتیاز کرے گا لیکن اس کے لئے یہ صورت نہ ہوگی کہ براہِ راست ہر شخص کو یہ غیبی بات بتائی جائے کہ کون طیّب ہے اور کون نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس امتیاز کے لئے یہ طریق اختیار فرمائے گا کہ وہ اپنے برگزیدہ رسول مبعوث کرتا رہیگا۔ اس وعدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان لائیں۔ ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں انہیں اجرِ عظیم ملے گا۔ چنانچہ علامہ ابوحیان نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :-

"وَظَاهِرُ مَعْنَى الْآيَةِ مَا قَدَّمْنَاهُ مِنْ أَنَّهُ تَعَالٰى هُوَ الَّذِي يُمَيِّزُ بَيْنَ الْخَبِيْثِ وَالطَّيِّبِ أَخْبَرَ أَنَّكُمْ لَا تَدْرِكُوْنَ أَنْتُمْ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ تَعَالٰى لَمْ يُطْلِعْكُمْ عَلٰى مَا أَكَنَّتْهُ الْقُلُوْبُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالنِّفَاقِ وَلٰكِنَّهُ تَعَالٰى يَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلٰى ذٰلِكَ فَتَطَّلِعُوْنَ عَلَيْهِ مِنْ جِهَةِ الرَّسُوْلِ."

پھر فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ کے نیچے لکھا ہے:۔

"لَمَّا ذَكَرَ أَنَّهُ تَعَالٰى يَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى الْمُغَيَّبَاتِ أَمَرَ بِالتَّصْدِيْقِ بِالْمُجْتَبٰى." (البحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۱۲۶-۱۲۷)

یعنی خبیث اور طیب کے امتیاز کے بارے میں اللہ تعالیٰ رسول منتخب فرما کر اطلاع دیا کرے گا جو مومنوں کو آگاہ کرے گا اسلئے ہر برگزیدہ مامور کی تصدیق لازمی ہے۔ یہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے اُمتی نبیوں پر ایمان لانے کا میثاق ہے کیونکہ آنحضرتؐ کے بعد صرف آپؐ کی اطاعت کرنے والے اور آپؐ کی شریعت کا نفاذ کرنے والے انبیاء ہی آسکتے ہیں جیسا کہ دوسری نص وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ سے بالبداہت ثابت ہے۔

(۱۰) (الف) وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۵۸)

(ب) وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۵)

ترجمہ۔(الف) "قیامت سے پہلے پہلے ہم ہر بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب دینے والے ہیں۔ یہ کتاب میں مقرر ہے۔"

(ب) "ہم عذاب نہیں دیا کرتے جب تک رسول مبعوث نہ کرلیں۔"

اِن دونوں آیتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب اور ہلاکت سے پہلے بعثتِ رسول ضروری ہے تا منکرین یہ نہ کہہ سکیں رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰی ٥ (طٰہٰ ۱۳۴) کہ اے خدا! اگر تو ہماری طرف کسی رسول کو مبعوث فرما دیتا تو ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پیشتر تیری آیات کی پیروی کر لیتے۔"

اب یہ مضمون واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے اُمتی رسولوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور منکرین اور معاندینِ اسلام پر ان کے ذریعہ سے اتمام حجت ہوگی اور وہ مستحق عذاب قرار پائیں گے۔

ان دسؔ آیات پر ادنیٰ سا تدبّر کرنے سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید کے رُو سے مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کی قید کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمتی انبیاء کا آنا ممکن ہے۔ البتہ قرآنی شریعت کو منسوخ کرنے والے یا فیضانِ محمدی سے منکر نبی نہیں آسکتے۔ پس اس حقیقت کی روشنی میں خاتم النبیّین کی یہی تفسیر درست اور قابلِ قبول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی شریعت لانے والے انبیاء کا آنا ممتنع ہے مگر اُمتی نبیوں کی بعثت جاری ہے۔ اسی سے فیضانِ محمدی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

شیعہ کتب تفسیر و عقائد سے ختم نبوت کی حقیقت

شیعہ کتب تفسیر و عقائد کے رُو سے بھی ختمِ نبوت کی حقیقت درج ذیل کی جاتی ہے تا شیعہ بھائیوں کو بھی سمجھنے میں سہولت رہے۔

(۱) آیت اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ٥ (سورہ بقرہ : ۱۲۴) کے متعلق شیعہ تفسیر میں لکھا ہے :۔

"فَاَبْطَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ اِمَامَةَ كُلِّ ظَالِمٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَصَارَتْ فِی الصَّفْوَةِ" (تفسیر صافی زیر آیہ مذکورہ)

کہ اس آیت نے قیامت تک کے لئے ہر ظالم کی امامت کو باطل کر دیا۔ ہاں اس سے پاک لوگوں کی امامت قیامت تک ثابت ہو گئی۔"

گویا امامتِ ابراہیمی کا سلسلہ جاری رہے گا۔

(۲) آیت هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ میں رسول کے بھیجے جانے

کا ذکر ہے شیعہ صاحبان کے ہاں لکھا ہے :-

(الف) "نَزَلَتْ فِی الْقَائِمِ مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ" (بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۱۲) کہ آیت امام مہدی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔"

(ب) "مراد از رسول در اینجا امام مہدی موعود است" (غایۃ المقصود جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

(۳) آیت یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ کے بارے میں شیعہ تفسیر میں لکھا ہے :-

"قِیْلَ الرُّوْحُ الْوَحْیُ ..... وَقِیْلَ اِنَّ الرُّوْحَ ھٰھُنَا النُّبُوَّۃُ عَنِ السُّدِّیِّ" (تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۳)

کہ بعض نے اس آیت میں الروح سے مراد وحی لی ہے۔ سُدّی کہتے ہیں کہ اس جگہ نبوت مراد ہے۔"

پس اس آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی نبوت کو جاری رکھے گا۔

(۴) آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کے متعلق شیعہ صاحبان کا عقیدہ ہے کہ :-

(الف) "مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ اِلَّا وَیَرْجِعُ اِلَی الدُّنْیَا فَیَنْصُرُ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ" (تفسیر القمی صفحہ ۲۳)

(ب) "فرمود کہ آں وقتے خواہد بود کہ حق تعالیٰ جمع کند در پیش روئے او پیغمبراں و مومناں را تا یاری کنند اورا" (حق الیقین صفحہ ۱۵۶)

گویا شیعہ بھائیوں کے نزدیک امیر المومنین امام مہدی علیہ السلام کی نصرت کے لئے سب نبی تشریف لائیں گے۔ اس عقیدۂ رجعت کے رُو سے جب سب نبی آسکتے ہیں تو ایک نبی کی بعثت پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے ؟

(۵) آیت یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ کے متعلق شیعہ تفسیر میں لکھا ہے :-

"فَقَالَ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَھُوَ خِطَابٌ یَعُمُّ جَمِیْعَ الْمُکَلَّفِیْنَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مَنْ جَاءَہُ الرَّسُوْلُ مِنْھُمْ وَمَنْ جَازَ اَنْ یَّاْتِیَہُ الرَّسُوْلُ" (مجمع البیان زیر آیت مذکورہ)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کا لفظ رکھا ہے جس سے تمام مکلف انسان مراد

ہیں۔ وہ بھی جن کے پاس رسول آچکے اور وہ بھی جن کے پاس رسولوں کا آنا ممکن ہے"۔
پس جب سب آدم زادوں کو نبیوں کے آنے کی خبر دی گئی ہے تو اس سلسلہ کا قیامت تک رہنا ضروری ہے۔

(۶) آیت فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کے متعلق لکھا ہے کہ امام مہدی یہ کہیں گے اور اس آیت کو اپنے اوپر چسپاں کریں گے۔ گویا امام مہدی مرسلین میں سے ہوں گے۔ (کتاب اکمال الدین صفحہ ۱۸۹)

اب بھی ضرورتِ نبوّت باقی ہے؟

شیعوں کی ایک معتبر کتاب میں لکھا ہے:۔

"اگر کسی وقت میں نوعِ انسانی معلّمِ روحانی کی محتاج تھی تو اب بھی ہے اِلّا یہ کہہ دیا جائے کہ کبھی انسان محتاج پیغمبر و امام و معلّم روحانی نہ تھا اور بعثتِ معلّمینِ الٰہی معاذ اللہ فضول اور لغو ہے۔ ورنہ جو اوّل ضرورت کو تسلیم کرتا ہے وہ اب بھی کر چکا۔ جو پہلے انبیاء و اوصیاء و ائمہ کو مانتا ہے وہ اب مانے گا اور وجودِ امام کو تسلیم کرے گا۔ وجود امام آخر الزمان کا منکر تمام انبیاء و اوصیاء کا منکر ہے اور یہی قول پیغمبرؐ سے بھی ثابت ہے"۔
(الصراط السوی صفحہ ۲۵-۲۶)

اُمّتِ محمّدیہ میں نبوّت جاری ہے

حضرت امام ابو جعفرؓ ابراہیمی نسل کی نعمتوں "الرسل والانبیاء والائمۃ" کے ذکر پر فرماتے ہیں:۔

"فَكَيْفَ يُقِرُّوْنَ فِيْ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُنْكِرُوْنَهٗ فِيْ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ (الصافی فی شرح اصول الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۱۹)
کہ عجیب بات ہے کہ لوگ ان نعمتوں کا وجود آلِ ابراہیمؑ میں تو تسلیم کرتے ہیں لیکن آلِ محمدؐ میں ان کا انکار کرتے ہیں"۔

پس اُمّتِ محمدیہ میں تابع نبیوں کا آنا تعجب خیز نہیں بلکہ اس نعمت کا آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میں نہ پایا جانا حیرت کا موجب ہوگا۔

شیعوں کے لغوی حوالے

(۱) شیعہ لغت مجمع البحرین میں لکھا ہے :۔

"وَمُحَمَّدٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ يَجُوْزُ فِيْهِ فَتْحُ التَّاءِ وَكَسْرُهَا فَالْفَتْحُ بِمَعْنَى الزِّيْنَةِ مَأْخُوْذٌ مِنَ الْخَاتَمِ الَّذِيْ هُوَ زِيْنَةٌ لِلَابِسِهٖ"

کہ خاتَم النبیّین میں خاتَم اور خاتِم دونوں جائز ہیں اور خاتَم کے معنے زینت اور خوبصورتی کے ہوں گے۔ یہ انگوٹھی سے ماخوذ ہے جو کہ پہننے والے کے لئے موجبِ زینت ہوتی ہے۔"

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے :۔

"اَلْخَاتَمُ لِمَا سَبَقَ وَالْفَاتِحُ لِمَا انْغَلَقَ" کہ آپ کے آنے سے پہلے دَور ختم ہوگئے اور اب آپ نئے دَور کے کھولنے والے ہیں۔" (نہج البلاغہ)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خاتم الاولیاء قرار دیا۔ (تفسیر صافی ص۱۱)

(۴) علامہ محمد سبطین نے اپنے رسالہ الصراط السوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم المعلمین قرار دیا ہے۔

(۵) حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو خاتم الوصیّین کہا ہے۔ (منار الہدیٰ ص۱۰۶)

(۶) مشہور شیعہ کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کے ٹائیٹل پیج پر الشیخ الصدوق کو خاتم المحدّثین لکھا گیا ہے۔

کیا شیعہ صاحبان ماننے کے لئے تیار ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معلّم نہیں ہوا؟ حضرت علیؓ کے بعد کوئی ولی یا وصی نہیں ہوا؟ یا جناب الشیخ الصدوق کے بعد کوئی محدّث نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا؟

شیعہ صاحبان کے لئے تین فیصلہ کن حوالے

اوّل شیعہ تفسیر میں لکھا ہے :-

"حَشَرَ اللّٰہُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ"

کہ اللہ تعالیٰ پہلے اور پیچھے آنے والے نبیوں کو اٹھائیگا" (تفسیر القمی صفحہ ۱۱)

قابلِ غور ہے کہ اگر کسی نبی کے آنے کا امکان ہی نہیں تو یہ پیچھے آنیوالے نبی کون ہیں؟

دوم شیعوں کی مستند کتاب اکمال الدین میں لکھا ہے :-

"فَالْھُدَاۃُ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْصِیَاءِ لَا یَجُوْزُ انْقِطَاعُھُمْ مَادَامَ التَّکْلِیْفُ مِنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ لَازِمًا لِلْعِبَادِ"

ترجمہ۔ جب تک بندے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مکلّف ہیں تب تک ہدایت دینے والے نبیوں اور وصیوں کا انقطاع جائز نہیں"

سوم۔ اللہ تعالیٰ کا قول القمی میں لکھا ہے کہ اس نے غُرْفَۃً مِّنَ الْمَاءِ کو ہاتھ میں لیکر کہا :-

"مِنْكِ اَخْلُقُ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ وَالْاَئِمَّۃَ الْمُھْتَدِیْنَ وَالدُّعَاۃَ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاَتْبَاعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَلَا اُبَالِیْ"

ترجمہ۔ (اے قطرۂ پانی!) مَیں تجھ سے قیامت تک نبی، رسول، نیک بندے، ہدایت یافتہ امام، جنت کے داعی اور ان کے اتباع پیدا کرتا رہوں گا اور مجھے کسی کی پرواہ نہ ہوگی"

ان حوالہ جات سے بالبداہت ثابت ہے کہ شیعہ نقطۂ نگاہ سے خاتم النبیین کے یہی معنے ہیں کہ آپؐ کی اُمّت کے لئے تمام ابواب نعمت مفتوح ہیں اور آپؐ سب سے افضل نبی ہیں۔ لفظ خاتم النبیین انقطاعِ نبوّتِ غیر تشریعی پر دلیل نہیں ہے۔

ختمِ نبوّت احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

یاد رہے کہ آنحضرتؐ نے آنے والے مسیح موعودؑ کو نبی اللہ قرار دیا ہے (صحیح مسلم)

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے اَبُوْبَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ کہ ابوبکرؓ اس اُمت کے افضل فرد ہیں سوائے اسکے کہ نبی ہو۔" (کنوز الحقائق ص۔ جامع الصغیر للسیوطی مطبوعہ مصر و حاشیہ)

پھر واقعات یوں ہیں کہ ۵ سنہ ہجری میں آیتِ خاتم النبیین کا نزول ہوا۔ ۹ سنہ ہجری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صاحبزادہ ابراہیم تولد ہوا اور فوت ہو گیا۔ اس کی وفات پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز) کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔" حضورؐ کا یہ ارشاد آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد کا ہے اور در حقیقت یہ خاتم النبیین کی واضح تفسیر ہے۔

اس ارشادِ نبویؐ سے واضح ہے کہ خاتم النبیین کا لفظ آپؐ کے نزدیک صدّیق نبی، یا اُمتی نبی بننے میں ہرگز روک نہیں۔ ورنہ اس موقع پر یُوں ارشاد فرماتے کہ اگر یہ زندہ بھی رہتا تب بھی نبی نہ بن سکتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ مگر حضورؐ نے جو ارشاد فرمایا اس سے عیاں ہے کہ حضورؐ کا خاتم النبیین ہونا تو صاحبزادہ ابراہیم کے نبی بننے میں روک نہ تھا محض اس کا وفات پا جانا روک تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کے باوجود اُمتی نبیوں کا دروازہ کھلا ہے۔[1]

حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا پر علمی بحث

ابن ماجہ کی یہ حدیث اپنے مضمون کے لحاظ سے نہایت واضح ہے اسلئے بعض غیر احمدی علماء اس کے راویوں وغیرہ پر جرح کرتے ہیں۔ اس کے راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی کو ضعیف کہتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اوّل تو جس طرح بعض ائمہ جرح و تعدیل نے راوی حدیث ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی کو ضعیف قرار دیا ہے اسی طرح بعض ناقدین ائمہ کے نزدیک وہ قابلِ تعریف اور ثقہ راوی ہے۔ لکھا ہے:-

"قَالَ یَزِیْدُ بْنُ ھَارُوْنَ مَا قَضٰی عَلَی النَّاسِ رَجُلٌ اَعْدَلُ فِی الْقَضَاءِ مِنْہُ وَقَالَ ابْنُ عَدِیٍّ لَہٗ اَحَادِیْثُ صَالِحَۃٌ وَھُوَ خَیْرٌ مِنْ اَبِیْ حَیَّۃَ۔" (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ نیز الاکمال فی اسماء الرجال حاشیہ منہ)

۱؎ احادیث پر مزید مفصل بحث کیلئے ہماری کتاب "القول المبین فی تفسیر خاتم النبیین" ملاحظہ فرمائیں۔ (مؤلف)

کہ ابن ہارون کا قول ہے کہ ابراہیم بن عثمان (راوی حدیث زیر بحث) سے بڑھ کر کسی نے قضا میں عدل نہیں کیا۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث اچھی ہیں اور وہ ابو حیہ سے بہتر راوی ہے۔"

پھر ابو حیہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"وَثَّقَهُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَقَالَ النِّسَائِیُّ ثِقَةٌ۔" (تہذیب التہذیب جلد ا ص۱۱۱)

کہ امام دارقطنی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام نسائی بھی اسے ثقہ کہتے ہیں۔"

اب سوال یہ رہ گیا کہ آیا اگر کسی ایک راوی کو بعض ائمہ ضعیف قرار دیں جبکہ بعض دوسرے اُسے ثقہ ٹھہرائیں تو کیا ایسے ایک راوی کی وجہ سے حدیث کو غیر صحیح اور مردود ٹھہرا کر اُسے بنائے استدلال نہ بنایا جائے حالانکہ حدیث زیر بحث صحاح ستہ کی کتاب ابن ماجہ میں مروی ہے اور دیگر احادیث سے اس کی تقویت بھی ثابت ہے؟ اس کے جواب کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ مدرسہ دیوبند کے کلمات ذیل قابلِ توجہ ہیں، فرماتے ہیں:۔

(الف) "یہ بھی روشن ہوگا کہ روایت کا ثبوت اور اس کی قوت کچھ اسی میں منحصر نہیں کہ اس کی سند ہی اچھی ہو اگر کوئی آیت یا روایت صحیحہ اس کی مصدّق ہو تو یہ تصدیقِ آیت و روایت کافی ہے۔"

(آبِ حیات ص۱۲۲ مطبع مجتبائی مطبوعہ ۱۲۹۸ ہجری)

(ب) "جس خبر کے مصدق عقل یا نقل ہو اس کو صادق ہی سمجھنا چاہیئے اگرچہ اس کے راوی ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔" (آبِ حیات ص۱۲۴)

پس حدیث نبوی لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا سے اسلئے اعراض کرنا کہ بعض ائمہ نے اس کے ایک راوی کو ضعیف قرار دیا ہے محض نفس کا بہانہ ہے۔ اہلِ علم اصحاب فن کا یہ طریق ہرگز نہیں۔

دوم۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ حدیث لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا کی صحت کا بہت سے فحول ائمہ حدیث نے اقرار فرمایا ہے۔ حضرت امام علی القاری کے متعلق تو مودودی صاحب کے رسالہ میں بھی لکھا ہے کہ "انہوں نے اس روایت کو

صحیح مانا ہے۔" (ترجمان القرآن جنوری ۱۹۵۷ء ص ۲۳۶) پھر البیضاوی کے حاشیہ الشہاب علی البیضاوی میں واضح طور پر درج ہے "وَاَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيْثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيْهَا" کہ جہاں تک حدیث کے صحیح ہونے کا سوال ہے تو یہ بات ہر شک وشبہ سے بالا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (جلد ۷ ص ۱۷۵) پس راوی ابراہیم بن عثمان کے بارے میں بعض لوگوں کے اعتراض ضعف کی وجہ سے حدیث نبوی کی صحت میں کسی شبہ کی گنجائش پیدا نہیں ہوجاتی۔

سوم۔ تیسری گزارش یہ ہے کہ ابن ماجہ کی اس حدیث کی تائید دوسری تین روایات سے بھی ہوتی ہے جو مختلف طرق سے مروی ہیں۔ حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:۔

"وَبَيَّنَ الْحَافِظُ السُّيُوْطِيُّ اَنَّهُ صَحَّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهُ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ ابْنِهِ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَا اَدْرِيْ رَحْمَةُ اللهِ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا"

کہ امام سیوطی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے صاحبزادے ابراہیمؓ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ابراہیم پر ہو اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور نبی بن جاتا۔" (الفتاوی الحدیثیہ مصنفہ ابن حجر الہیتمی ص ۱۵۰ مصری)

نیز امام السیوطی فرماتے ہیں "رَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (الفتاوی الحدیثیہ ص ۱۵۰) کہ اس حدیث کو حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

پھر علامہ قسطلانی لکھتے ہیں وَقَدْ رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَوْ بَقِيَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَانَ نَبِيًّا۔ کہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ اگر آنحضرتؐ کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو ضرور نبی ہوتے ۔۔۔" (المواہب اللدنیہ جلد اول ص ۱۳۶) علاوہ ازیں تاریخ ابن عساکر میں لکھا ہے:۔

"وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدِهٖ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ لَمَّا مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ

تُتِمُّ رَضَاعَتَهٗ وَلَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔"
کہ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ جب صاحبزادہ ابراہیم فوت ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جنت میں اس کے لیئے دایہ مقرر ہے جو اس کی رضاعت کی تکمیل کرے گی۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور نبی ہو جاتا۔" (تاریخ ابن عساکر جلد ا صفحہ ۲۹۵)

ان دوسری روایات سے ابن ماجہ کی روایت زیر بحث لَوْعَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا کی زبردست تائید ہوتی ہے۔ اسی لیئے حضرت ملا علی القاری تحریر فرماتے ہیں "لَہٗ طُرُقٌ ثَلَاثٌ یُقَوِّیْ بَعْضُھَا بِبَعْضٍ" کہ یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے جن کے باعث یہ حدیث نہ صرف صحیح قرار پاتی ہے بلکہ قوی قرار پاتی ہے (موضوعات کبیر ص۶۹)

اس موقع پر ہم حضرت مولانا نانوتوی کا ایک اور زرّیں قول بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ حیات النبیؐ کے سلسلہ میں بعض روایات کے ذکر پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"ان روایات میں بعض روایات کا باعتبار سند کے چنداں قوی نہ ہونا چنداں مضر نہیں۔ چند ضعیف باہم مل کر اسی طرح قوی ہو جاتی ہیں جس طرح چند احاد مل کر متواتر بن جاتے ہیں۔" (آب حیات ص۴۹)

پس یہ امر بالبداہت ثابت ہے کہ حدیث لَوْعَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ایک صحیح حدیث نبوی ہے بلکہ اپنے متعدد طرق کے باعث قوی حدیث ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حَکَم عَدَل کا ارشاد حدیث زیر غور کے سلسلہ میں حسب ذیل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :۔

"ابراہیم لخت جگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خورد سالی میں یعنی سولھویں مہینے میں فوت ہو گئے تھے اس کی صفائی استعداد کی تعریفیں اور اس کی صدیقانہ فطرت کی صفت وثناء احادیث کے رُو سے ثابت ہے۔"
(اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ امام نووی ایسے بعض بزرگوں نے حدیث لَوْعَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا

نَبِیًّا پر کلام کیا ہے مگر در اصل اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اس حدیث کے سمجھنے میں دقت پیش آئی تھی۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:۔

"وَهُوَ عَجِیْبٌ مِنَ النَّوَوِیِّ مَعَ وُرُوْدِهٖ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَكَأَنَّهٗ لَمْ يَظْهَرْ لَهٗ تَاوِيْلُهٗ۔" (الفوائد المجموعہ ص۱۲۲)

کہ ایسی حدیث پر جو تین صحابیوں سے مروی ہے امام نووی کا اعتراض عجیب ہے۔ بات یہ ہے کہ ان پر اس حدیث کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوا۔"

اس جگہ امام علی القاری کے الفاظ کتنے پیارے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"وَاِذَا اَخْبَرَ الصَّادِقُ وَثَبَتَ عَنْهُ النَّقْلُ الْمُوَافِقُ فَلَا كَلَامَ فِيْهِ مِمَّا يُنَافِيْهِ۔" (موضوعات کبیر ص۵۹)

کہ جب نبی صادق علیہ السلام نے خبر دی ہے اور صحیح نقل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے تو پھر اس کے مخالف اور منافی کلام کوئی مطلب نہیں رکھتا۔"

پس اہلِ تحقیق کے نزدیک لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا یقینی طور پر درست حدیث ہے اور اگر کسی نے اس کے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے تو اس سے حدیث کی ثقاہت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔

حدیث لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا سے ہمارا استدلال

ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حدیث نبوی لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا ایک صحیح حدیث ہے۔ تاریخی طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ کی ولادت اور وفات آیت خاتم النبیین کے نازل ہونے کے قریباً پانچ برس بعد ہوئی تھی۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ اگر سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے یہ معنے سمجھتے کہ آپؐ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا تو صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات پر ہرگز یہ نہ فرماتے لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا۔ کہ اگر یہ بچہ زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔ بلکہ اس کے برعکس یوں فرماتے کہ چونکہ میں خاتم النبیین ہوں اسلئے اگر ابراہیمؓ زندہ بھی رہتے تب بھی نبی

نہ ہو سکتے۔ حضورؐ کا ابراہیمؓ کی وفات پر یہ ارشاد صاف دلالت کرتا ہے کہ اگرچہ بوجہ وفات صاحبزادہ ابراہیمؓ نبی نہیں بن سکے مگر باقی افراد کے لئے امتی نبوت پانے میں آیت خاتم النبیین روک نہیں ہے۔ مثال یوں سمجھئے کہ کالج کا کوئی ہونہار طالب علم فوت ہو جاتا ہے پرنسپل کہتا ہے کہ اگر یہ زندہ رہتا تو ضرور ایم۔اے ہو جاتا۔ پرنسپل کا یہ قول اس بات پر نصِّ قاطع ہے کہ فی الجملہ ایم۔اے ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لَوْعَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَّبِیّاً اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ فی الجملہ اُمّت میں نبی بننا ممکن ہے۔ پس یہ حدیثِ نبوی امکانِ نبوت پر ایک واضح برہان ہے!

خاتم النّبیّین کے معنے اور حضرت ملّا علی القاریؒ

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام علی القاری نے بڑی صراحت سے حدیث لَوْعَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَّبِیّاً کو صحیح اور قوی حدیث قرار دیا ہے۔ جماعتِ احمدیہ اپنے موقف کی حمایت میں امام ملّا علی القاری کے قول کو بھی بطور تائیدی دلیل پیش کرتی ہے۔

حضرت امام ملّا علی القاری حدیث لَوْعَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَّبِیّاً کی سند پر بحث کرتے ہوئے اسے **قوی حدیث** قرار دیکر تحریر فرماتے ہیں:۔

"وَمَعَ هٰذَا لَوْعَاشَ اِبْرَاهِیْمُ وَصَارَ نَبِیّاً وَکَذَا لَوْصَارَ عُمَرُ نَبِیّاً لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَعِیْسٰی وَ الْخِضَرِ وَاِلْیَاسَ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَهٗ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اِذِ الْمَعْنٰی اَنَّهٗ لَا یَاْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَهٗ یَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ وَیُقَوِّیْهِ حَدِیْثُ لَوْکَانَ مُوْسٰی حَیّاً لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔" (موضوعاتِ کبیر صفحہ ۶۹)

ترجمہ۔ باایں ہمہ یہ بات بھی ہے کہ اگر ابراہیمؓ زندہ رہتے اور نبی بن جاتے نیز حضرت عمرؓ بھی نبی ہو جاتے تو وہ دونوں بھی حضرت عیسیٰؑ، حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبیوں میں سے

ہوتے۔ پس حدیث (لو عاش لکان صدیقاً نبیاً) اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیین کے ہرگز مخالف نہیں کیونکہ خاتم النبیین کے تو یہ معنے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوسکتا جو آپؐ کے دین کو منسوخ کرے اور آپؐ کا اُمتی نہ ہو۔ اس مفہوم کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

حضرت امام علی القاری کا ارشاد نہایت واضح ہے۔ انہوں نے غیر مبہم الفاظ میں حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَبِیّاً کا یہ مطلب بیان فرما دیا ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؑ زندہ رہتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی نبی ہوتے۔ کیونکہ آیت خاتم النبیین اُمتی نبی کے راستے میں قطعاً روک نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ بھی مشیتِ ایزدی سے اگر نبی ہوتے تو اُمتی نبی ہوتے۔ حضرت امام موصوف نے حضرت مسیح، حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام کی مثال دیکر بھی یہ واضح فرمایا کہ آنحضرتؐ کے تابع نبیوں کے وجود کو محال نہیں سمجھا گیا۔ پھر حدیث لَوْ کَانَ مُوْسیٰ حَیّاً کو پیش کرکے مزید صراحت فرما دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بلند و بالا مرتبہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو وہ آپؐ کے تابع نبی ہوتے۔ پس یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ امام علی القاری حدیث زیر بحث سے اُمتی نبی کا امکان مانتے تھے۔

پھر آپ نے ایک دوسری جگہ بھی حدیث لو کان موسیٰ حیاً کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

"اَقُوْلُ لَا مُنَافَاۃَ بَیْنَ اَنْ یَکُوْنَ نَبِیّاً وَاَنْ یَکُوْنَ تَابِعاً لِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی منافاۃ اور تناقض نہیں کہ ایک شخص نبی بھی ہو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بھی ہو۔" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۶۴)

اب یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَبِیّاً سے اُمتی نبی کا امکان تسلیم فرمایا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کا یہی مطلب سمجھا ہے اور یہی ہمارا موقف و مسلک ہے۔

خاتم النبیین کے معنوں کے متعلق لاجواب چیلنج

ایک غیر احمدی نے مودودی صاحب کو لکھا کہ:۔

"مرزائی حضرات لفظ خاتم کے معنے نفی کمال کے لیتے ہیں نفی جنس کے نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خاتم کا لفظ کہیں بھی نفی جنس کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔ اگر ہوا ہو تو مثال کے طور پر بتایا جائیے۔ ان کا چیلنج ہے کہ جو شخص عربی لغت میں خاتم کے معنے نفی جنس کے دکھادے اسکو انعام ملیگا۔ نفی کمال کی مثالیں وہ یہ دیتے ہیں کہ مثلاً کسی کو خاتم الاولیاء کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ولایت اس پر ختم ہوگئی بلکہ حقیقی مطلب یہ ہوتا ہے کہ ولایت کا کمال اس پر ختم ہوا۔ اقبال کے اس فقرے کو بھی وہ نظیر میں پیش کرتے ہیں ؎

آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہاں آباد میں اس کے بعد کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ ہے کہ وہ جہاں آباد کا آخری باکمال شاعر تھا۔ اسی قاعدے پر وہ خاتم النبیین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالات نبوت ختم ہوگئے نہ یہ کہ خود نبوت ہی ختم ہوگئی۔" (رسائل و مسائل ص۳۲)

مودودی صاحب یا کوئی اور مولوی آج تک اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ یاد رہے کہ عربی زبان اور اس کے محاورات میں جب کبھی خاتم النبیین کے طریق پر کوئی مرکب اضافی کسی کی مدح میں استعمال ہوا ہے (جس استعمال کی عربی زبان میں بہت سی مثالیں موجود ہیں) تو ایسے مرکب اضافی کے معنے ہمیشہ اس جماعت مضاف الیہ کے اعلیٰ، کامل اور انتہائی افضل فرد کے ہوتے ہیں اور وہ فرد اپنے کمال میں بے مثال اور عدیم النظیر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے استعمالات کی کم و بیش پچاس مثالیں جو ہم نے یہاں اپنے ملک میں اور بلاد عربیہ میں بھی بار بار شائع کی ہیں حسب ذیل ہیں :-

خاتم مرکب اضافی کی مثالیں

۱۔ ابو تمام شاعر کو خاتم الشعراء لکھا ہے۔ (وفیات الاعیان جلد اوّل)

۲۔ ابو الطیب کو خاتم الشعراء کہا گیا ہے۔ (مقدمہ دیوان المتنبی مصری ص ی)

۳۔ ابو العلاء المعری کو خاتم الشعراء قرار دیا گیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ حاشیہ ص ک)

۴ - شیخ علی حزیں کو ہندوستان میں خاتم الشعراء سمجھتے ہیں۔ (حیاتِ سعدی ص۱۱۷)
۵ - حبیب شیرازی کو ایران میں خاتم الشعراء سمجھا جاتا ہے۔ (حیاتِ سعدی ص۸۴)
۶ - حضرت علیؓ خاتم الاولیاء ہیں۔ (تفسیر صافی سورۂ احزاب)
۷ - امام شافعی خاتم الاولیاء تھے۔ (التحفۃ السنیۃ ص۴۵)
۸ - شیخ ابن العربی خاتم الاولیاء تھے۔ (سرورق فتوحاتِ مکیہ)
۹ - کافور خاتم الکرام تھا۔ (شرح دیوان المتنبی ص۳۰۴)
۱۰ - امام محمد عبدہ مصری خاتم الائمہ تھے۔ (تفسیر الفاتحہ ص۱۴۸)
۱۱ - السید احمد السنوسی خاتمۃ المجاھدین تھے۔ (اخبار الجامعۃ الاسلامیہ فلسطین ۲۷ محرم ۱۳۵۲ھ)
۱۲ - احمد بن ادریس کو خاتمۃ العلماء المحققین کہا گیا ہے۔ (العقد النفیس)
۱۳ - ابو الفضل الآلوسی کو خاتمۃ المحققین کہا گیا ہے۔ (سرورق تفسیر روح المعانی)
۱۴ - شیخ الازہر سلیم البشری کو خاتم المحققین قرار دیا گیا ہے۔ (الحرایب ص۳۷۲)
۱۵ - امام سیوطی کو خاتمۃ المحققین لکھا گیا ہے۔ (سرورق تفسیر اتقان)
۱۶ - حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کو خاتم المحدثین لکھا جاتا ہے۔ (عجالہ نافعہ جلد اول)
۱۷ - الشیخ شمس الدین خاتمۃ الحفاظ تھے۔ (التجرید الصریح مقدمہ ص۴)
۱۸ - سب سے بڑا ولی خاتم الاولیاء ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الاولیا ص۴۲۲)
۱۹ - ترقی کرتے کرتے ولی خاتم الاولیاء بن جاتا ہے۔ (فتوح الغیب ص۴۳)
۲۰ - الشیخ نجیب کو خاتمۃ الفقہاء مانا جاتا ہے۔ (اخبار الصراط المستقیم یافا ۲۷ رجب ۱۳۵۴ھ)
۲۱ - شیخ رشید رضا کو خاتمۃ المفسرین قرار دیا گیا ہے۔ (الجامعۃ الاسلامیہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)
۲۲ - شیخ عبد الحق خاتمۃ الفقہاء تھے۔ (تفسیر الاکلیل سرورق)
۲۳ - الشیخ محمد نجیب خاتمۃ المحققین تھے۔ (الاسلام مصر شعبان ۱۳۵۴ھ)
۲۴ - افضل ترین ولی خاتم الولایۃ ہوتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۷۱)
۲۵ - شاہ عبد العزیز خاتم المحدثین والمفسرین تھے۔ (ہدیۃ الشیعہ ص۴)
۲۶ - انسان خاتم المخلوقات الجسمانیۃ ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص۲۲ مطبوعہ مصر)

۲۷۔ الشیخ محمد بن عبد اللہ خاتمۃ الحفاظ تھے۔ (الرسائل النادرہ صفحہ ۳)

۲۸۔ علامہ سعد الدین تفتازانی خاتمۃ المحققین تھے۔ (شرح حدیث الاربعین صفحہ ۱)

۲۹۔ ابن حجر العسقلانی خاتمۃ الحفاظ ہیں۔ (طبقات المدلسین سرورق)

۳۰۔ مولوی محمد قاسم صاحب کو خاتم المفسرین لکھا گیا ہے۔ (اسرار قرآنی ٹائیٹل پیج)

۳۱۔ امام سیوطی خاتمۃ المحدثین تھے۔ (ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۱۰)

۳۲۔ بادشاہ خاتم الحکام ہوتا ہے۔ (حجۃ الاسلام صفحہ ۳۵)

۳۳۔ آنحضرت صلعم خاتم الکاملین تھے۔ (" " ")

۳۴۔ انسانیت کا مرتبہ خاتم المراتب ہے اور آنحضرت صلعم خاتم الکمالات ہیں۔ (علم الکتاب صفحہ ۱۴۰)

۳۵۔ حضرت عیسیٰ خاتم الاصفیاء الائمۃ ہیں۔ (بقیۃ المتقدمین صفحہ ۱۸۴)

۳۶۔ حضرت علی خاتم الاوصیاء تھے۔ (منار الہدیٰ صفحہ ۱۰۶)

۳۷۔ رسول مقبول صلعم خاتم المعلمین تھے۔ (الصراط السوی مصنفہ علامہ محمد سبطین)

۳۸۔ الشیخ الصدوق کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔ (کتاب من لا یحضرہ الفقیہ)

۳۹۔ عقل انسانی عطیاتِ الٰہیہ وجود، زندگی اور قدرت کی خاتم الخلع ہے۔ (تفسیر کبیر رازی جلد ۲ صفحہ ۲۱)

۴۰۔ ابوالفضل شہاب الالوسی کو خاتمۃ الادباء لکھا ہے۔ (سرورق روح المعانی)

۴۱۔ صاحب روح المعانی نے الشیخ ابراہیم الکورانی کو خاتمۃ المتاخرین قرار دیا ہے۔
(تفسیر روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۴۵۳)

۴۲۔ مولوی انور شاہ صاحب کاشمیری کو خاتم المحدثین لکھا گیا ہے۔ (کتاب تیسیر الانوار صفحہ ۹۹)

۴۳۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند لکھتے ہیں:۔

"آپ ہی منتہائے علوم ہیں کہ آپ ہی پر علوم کا کارخانہ ختم ہو جاتا ہے۔
اسلئے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا گیا ہے۔" (شانِ رسالت صفحہ ۴۰)

۴۴۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:۔

"والخاتم یجب ان یکون افضل الا تریٰ ان رسولنا صلی
اللہ علیہ وسلم لما کان خاتم النبیین کان افضل الانبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام" (تفسیر کبیر رازی جلد ۶ ص۳۴ مصری)

کہ خاتم لازماً افضل ہوتا ہے جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خاتم النبیین قرار دیا گیا تو آپ سب نبیوں سے افضل ٹھہرے۔"

۴۵۔ حضرت فریدالدین عطارؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں ۔

ختم کردہ عدل وانصافش بحق ٭ تا فراست بُردہ از مردم سبق

(منطق الطیر ص۲۹)

۴۶۔ جناب مولانا حالی حضرت شیخ سعدیؒ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"ہمارے نزدیک جس طرح طعن وضرب اور جنگ وحرب کا بیان فردوسی پر ختم ہے اسی طرح اخلاق، نصیحت وپند، عشق وجوانی، ظرافت و مزاح، زہد وریا وغیرہ کا بیان شیخ پر ختم ہے۔" (رسالہ حیات سعدی ص۱۰۱)

۴۷۔ حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحریر فرماتے ہیں :۔

"سو جس میں اس صفت کا زیادہ ظہور ہو جو خاتم الصفات ہو یعنی اس سے اوپر اور صفت ممکن الظہور یعنی لائق انتقال وعطائے مخلوقات نہ ہو وہ شخص مخلوقات میں خاتم المراتب ہوگا اور وہی شخص سب کا سردار اور سب سے افضل ہوگا۔" (رسالہ انتصار الاسلام ص۴۵)

۴۸۔ جناب مولوی محمد طیب صاحب دیوبندی لکھتے ہیں :۔

"انبیاء ودجاجلہ میں بھی ایک ایک فرد خاتم ہے جو اپنے دائرہ میں مصدر فیض ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں وہ فرد کامل اور خاتم مطلق جو کمالات نبوت کا منبع فیض ہے اور جس کے ذریعہ سارے ہی طبقہ انبیاء کو علوم وکمالات تقسیم ہوئے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

(تعلیمات اسلام مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی ص۲۲۳-۲۲۴)

۴۹۔ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی (شیخ الاسلام پاکستان) نے لکھا ہے کہ :۔

"جبکہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مربی عالم ہیں تو جس کا اعجاز

علمی ہوگا گویا اس پر تمام کمالاتِ علمی کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہوگا۔" (اعجاز القرآن ص۹۱)

۵۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

بہرِ ایں خاتم شد است او کہ بجود

مثلِ او نے بود نے خواہند بود

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے خاتم ہیں کہ آپؐ بے مثل و بے نظیر ہیں۔"

(مثنوی مولانا روم دفتر اوّل ص۵۳)

ان استعمالات سے ظاہر ہے کہ اہلِ عرب اور دوسرے محققین علماء کے نزدیک جب بھی کسی ممدوح کو خاتم الشعراء یا خاتم الفقہاء یا خاتم المحدثین یا خاتم المفسرین کہا جاتا ہے تو اس کے معنے بہترین شاعر، سب سے بڑا فقیہ، اور سب سے بلند مرتبہ محدث یا مفسر کے ہوتے ہیں۔

"نبیوں کی مُہر" کا کام

ہر غیر احمدی عالم کہتا ہے کہ خاتم النبیین کے لفظی معنے نبیوں کی مُہر کے ہیں۔ ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ اب سوال اس مُہر کے کام کا ہے۔ پڑھیئے :۔

(۱) حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"اللہ جلشانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۷ حاشیہ)

(۲) جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی "شیخ الاسلام" پاکستان لکھتے ہیں :۔

"بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپؐ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے آپؐ کی مُہر لگ کر ملی ہے۔"

(قرآن مجید مترجم علامہ عثمانی زیر آیت خاتم النبیین)

آئیے اِن معنوں میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیوں کی مُہر مانیئے!

حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِی کا صحیح مفہوم

اِس کے لئے مندرجہ ذیل چار حوالے ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (وفات ۵۸ھ ہجری) نے فرمایا :-

"قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ" (تفسیر الدرّ المنثور للسیوطی جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

اے لوگو! آنحضرتؐ کو خاتم الانبیاء ضرور کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کسی قسم کا نبی نہ آسکے گا۔"

(۲) حضرت امام محمد طاہر علیہ الرحمۃ (وفات ۹۸۶ھ ہجری) لکھتے ہیں :-

"ھٰذا ایضاً لاینافی حدیث لا نبیّ بعدی لانّہٗ اراد لا نبیّ ینسخ شرعہ"

کہ حضرت عائشہؓ کے قول سے حدیث لا نبیّ بعدی کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ وہ نبی نہ ہوگا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کردے۔" (تکملہ مجمع البحار ص ۸۵)

(۳) رئیس الصوفیہ حضرت محی الدین ابن العربیؒ (وفات ۶۳۸ھ ہجری) تحریر فرماتے ہیں :-

"ھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ۔" (فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

ترجمہ:- یہی معنی اِس حدیث کے ہیں انّ الرسالۃ والنبوّۃ قد انقطعت کہ اب رسالت اور نبوّت منقطع ہوگئی ہے میرے بعد نہ رسول ہے اور نہ نبی۔ یعنی کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو ایسی شریعت پر ہو جو میری شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب کبھی نبی آئے گا تو وہ میری شریعت کے تابع ہوگا۔"

(۴) جناب نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی (وفات ۱۳۰۷ھ ہجری / ۱۸۸۹ء عیسوی) لکھتے ہیں :-

"لا نبیّ بعدی آیا ہے جس کے معنے نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرعِ ناسخ لے کر نہیں آئے گا۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۲)

ختم نبوت کے سلسلہ میں پرویز صاحب کے شبہات کا ازالہ

مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی نے اہلِ قرآن کی تحریک جاری کی تھی۔ جناب غلام احمد صاحب پرویز لکھتے ہیں "ہم روایات کو دینی حجت تسلیم نہیں کرتے، دین کا مرکز فقط قرآن ہے۔" (معارف القرآن) خوارج کے نعرہ کی طرح بات تو بڑی خوشنما ہے مگر تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے ان کی مراد وہ **عقلیات** اور **اختراعات** ہیں جو پرویز صاحب یا ان کے کسی اور انشا پرداز کو سوجھیں۔ پرویز صاحب نے معارف القرآن نامی کتاب میں ختم نبوت کا بھی ایک باب باندھا ہے جس میں جماعت احمدیہ کے عقیدہ پر عام "مولویانہ انداز" میں جرح کی ہے۔ پرویز صاحب کی معارف القرآن کے خاص نقاط پر ذیل میں اعتراض و جواب کے رنگ میں تبصرہ کیا جاتا ہے۔ "پ" سے مراد پرویز صاحب ہیں اور "ا" سے مراد خاکسار ابو العطاء ہے۔

(۱) پ: "ہمارے مولوی صاحبان پچاس برس سے قادیانیوں کے ساتھ مناظرے، مباحثے، مجادلے، مباہلے کرتے چلے آ رہے ہیں لیکن بھنور میں پھنسی ہوئی لکڑی کی طرح معاملہ وہیں کا وہیں ہے اسلئے کہ یہ مولوی صاحبان خود ایک آنے والے کے انتظار میں ہیں۔" (ص [illegible])

ا: یہ غلط ہے کہ معاملہ وہیں کا وہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں انسانوں کے لئے تو معاملہ طے ہو چکا ہے اور بہتوں کے لئے طے ہونے کے قریب ہے۔ تبھی تو جماعت احمدیہ ترقی کر رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے آنے والے کے نظریہ سے اسی لئے انکار کر دیا ہے کہ مولویوں کی طرح آپ بھی پھنس نہ جائیں ورنہ اُمت کا اجماعی عقیدہ تو واضح ہے۔

پ: "قرآن کی رو سے یہ بنیاد ہی باطل ہے کہ ایک شخص خدا کا نبی یا رسول ہو اور وہ کتاب نہ لائے۔" (ص۸۰) "تشریعی اور غیر تشریعی کی تفریق یکسر غیر قرآنی ہے۔ ہر نبی خدا کا پیغام لاتا ہے جو اُس کی شریعت ہوتی تھی۔" (حاشیہ ص [illegible])

ا: یہی وہ نقطہ ہے جس پر پرویز صاحب عام علماء سے اختلاف کرتے ہیں۔ پرویز صاحب کے نزدیک ہر نبی شریعت اور کتاب لاتا ہے مگر ان کا یہ دعویٰ قرآن مجید کے سراسر خلاف ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ (المائدۃ: ۴۴) کہ ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور تھا۔ تورات کے مطابق وہ نبی جو مطیع ہوتے تھے یہود کیلئے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ ربانی اور علماء بھی فیصلہ کرتے تھے کیونکہ یہ کتاب الٰہی کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اس کے نگران تھے"۔ اس آیت کریمہ میں تورات کے مطابق فیصلہ کرنے والے نبیوں، ربانی لوگوں اور علماء تین گروہوں کا ذکر ہے۔ النبیون کے ساتھ بطور تشریح اَلَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا فرمایا ہے ظاہر ہے کہ کوئی نبی غیر مسلم تو ہوتا نہیں اسلئے اس جگہ اَسْلَمُوْا سے ان نبیوں کا تابع تورات ہونا ظاہر کرنا ہی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (بقرہ: ۸۷) کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کے بعد ان کے پیرو بہت سے رسول بھیجے۔ یہ مرسلین وہی ہیں جنہیں المائدہ کی آیت میں النبیون الذین اسلموا قرار دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بہت سے انبیاء اپنی نئی شریعت نہیں لاتے تھے بلکہ وہ تورات کی شریعت کے تابع ہوتے تھے اور لوگوں کو اسی پر چلاتے تھے۔ اس آیت سے تشریعی اور غیر تشریعی نبی کی تقسیم صریح طور پر قرآنی ثابت ہوتی ہے۔ جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے تحریر فرمایا ہے:-

"یہ بات تو انبیاء میں سے کسی کسی کو میسر آتی ہے کہ نئی شریعت لائے اور پہلے احکام بدل جائیں۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ تک جتنے نبی ہوئے سب تورات ہی پر عمل کرتے رہے"۔ (ہدیۃ الشیعہ صہ ۲۵)

جناب پرویز صاحب نے لکھا ہے:-

"قرآن کا ارشاد ہے کہ تورات حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کو دی گئی تھی"۔ (معارف القرآن صہ ...)

چلئے مان لیجئے کہ تورات دونوں موسیٰؑ اور ہارونؑ کو دی گئی تھی مگر النبیون الذین اسلموا جو تورات کے مطابق فیصلہ کرتے تھے ان کا غیر تشریعی نبی ہونا تو آپکو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اب تو

آپکو اپنے مسلّمات کے رُو سے بھی ماننا پڑے گا کہ بنی اسرائیل میں آنیوالے انبیاء موسیٰؑ اور ہارونؑ کی تورات کے تابع تھے۔ وہ کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے یہی غیر تشریعی نبی کہلاتے تھے۔ پس یہ بنیاد قرآن مجید سے ثابت ہے۔

(۳) پ:- "رسول کا فریضہ ہی پیغام خداوندی کا پہنچانا ہوتا ہے۔ بغیر پیغام کے قاصد اگر مضحکہ نہیں تو اور کیا ہے"؟ (صفحہ ۱۱)

ا:- پیغام تو ہر پیغامبر لاتا ہے مگر زیر بحث تو یہ امر ہے کہ وہ پیغام نئی شریعت پر چلنے کا ہوتا ہے یا سابقہ شریعت کی پابندی کرنے کا ہوتا ہے۔ آپ خلط مبحث نہ کریں۔ دیکھئے حضرت مسیح اپنے اتباع کو پیغام دیتے ہیں کہ:-

"فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن اُن کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں" (متی ۲۳/۲)

جناب مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں :-

"ان ہزاروں انبیاء کے بارے میں کیا کہا جائے گا جنہیں سرے سے کسی کتاب سے بہرہ مند ہی نہیں کیا گیا بلکہ جن کی نبوت کا دارومدار صرف انکے اونچے کردار اور مصلحانہ عمل پر ہی استوار ہے اور جو صرف منذرین و مبشرین کے زمرہ میں شمار ہونے کے لائق ہیں کیا ان کو نبی تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ (الاعتصام لاہور ۳۰ مارچ ۱۹۶۲ء)

(۴) پ:- "ذرا دجل و فریب کے اس لطیف پر نگاہ رکھئے کہ اپنی نبوت کے جواز میں مسلمانوں کے جذبات کو کس طرح ہاتھ میں رکھا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں سے کہا یہ گیا ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت تو نبیٔ اکرمؐ کی عظمت کی دلیل ہے۔ جو بات کسی اور نبی کو حاصل نہ تھی وہ رسول اللہ کو حاصل ہوگئی۔" (صفحہ ۱۱)

ا:- پرویز صاحب اس حقیقت کو جسے قرآن نے آیت وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا میں بیان فرمایا ہے آپکا دجل و فریب کہنا خود انتہائی دجل ہے۔ آپ دلیل و برہان سے بات کریں۔

(۵) پ:- "اگر نبی کی اطاعت سے انسان نبی بن سکتا ہے تو اس منطق کی رُو سے خدا کی اطاعت سے انسان کو

معاذ اللہ خدا بھی بن جانا چاہیئے۔ یہ تو آپ کو ماننا پڑیگا کہ انسان خدا کی اطاعت سے خدا نہیں
بن سکتا بلکہ وہ صرف اتنے مدارج ہی طے کر سکتا ہے جتنے مدارج کی قرآن کریم میں تصریح ہے۔
اسی طرح نبی کی اطاعت سے بھی انسان نبی نہیں بن سکتا کہ نبوت تو ختم ہو گئی۔ نبوت کے نیچے
جتنے مقام ہیں جن کی تصریح قرآن نے بیان کر دی ہے اُن مقامات تک ہی پہنچ سکتا ہے" (ص۲۶)

ا۔ فقرہ "نبوت تو ختم ہو گئی" زیر بحث اور تشریح طلب ہے اور آپ اسی کو دلیل بنا رہے ہیں۔ اسے
علمی اصطلاح میں مصادرہ علی المطلوب کہتے ہیں یعنی دعویٰ ہی کو دلیل قرار دیدینا۔ سوال تو یہی ہے کہ
آیا قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنیوالوں کیلئے کن مدارج کی تصریح کی ہے
جب ان میں **من النبیین** سب سے بلند درجہ ہے تو آپ نبوت غیر تشریعی کا انکار کیونکر کر سکتے
ہیں۔ پرویز صاحب نے کتنی عامیانہ بات کہہ دی ہے کہ اگر نبی کی اطاعت سے انسان نبی بن سکتا ہے
تو خدا کی اطاعت سے انسان کو خدا بن جانا چاہیئے۔ ہم ہر نبی کی اطاعت سے نبی بننے کے قائل نہیں۔ مگر
خاتم النبیین کی اطاعت میں نبی بننے کے قائل ہیں جس طرح شہنشاہ کے ماتحت بادشاہ ہوتے ہیں۔ ہاں
آپ نبی کی اطاعت سے نبی بننے کا تو امکان نہیں سمجھتے البتہ نبی کی اطاعت سے نبوت سے نیچے کے درجوں تک
پہنچنا مانتے ہیں۔ اچھا سوچیئے کہ اب خدا کی اطاعت سے خدا نہ ہی نبوت کے درجہ تک پہنچنے کا امکان تو آپ
کی منطق سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کیا فرماتے ہیں پرویز صاحب؟

(۲) ب۔ "قرآن بطور اساس آئین اور ملت کی مرکزیت اس کی قوت نافذہ۔ اس کی موجودگی میں نبوت
کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی" (ص۳۰)

ا۔ تورات بنی اسرائیل کیلئے مفصل آئین تھی۔ اگر یہودی موسیٰ کے بعد آنیوالے نبیوں کو "ملت کی مرکزیت
اسکی قوت نافذہ" کہہ کر پوچھتے کہ آپکے آنے کی ضرورت کیا ہے فرمائیے وہ انبیاء کیا جواب دیتے؟
چلئے مان لیتے ہیں کہ ملت کی مرکزیت جب آئین قرآنی کی قوت نافذہ ہو تو نبوت کی ضرورت نہ ہوگی مگر
جب ملت کی مرکزیت ہی درہم برہم ہو چکی ہو یا نام نہاد مرکزیت تو ہو مگر وہ قرآن مجید کو نافذ نہ
کر رہی ہو یا کر نہ سکتی ہو تو کیا آپ اس وقت نبوت کی ضرورت کو تسلیم کریں گے؟ بتلائیے اسوقت
ملت کی مرکزیت قائم ہے اور وہ قرآن کیلئے قوت نافذہ ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو آج آپکو
نبوت کی ضرورت سے کیوں انکار ہے؟ یاد رہے کہ آئین کو لانا، آئین کو نافذ کرنا اسی کو اہل علم نبوت تشریعی

اور نبوت غیر تشریعی قرار دیتے ہیں۔

(۷) پ: "اس (مسلمانوں کے عقائد کے خطرہ) کا علاج یہ ہے کہ انہیں ایک ایسا مہدی دیدیا جائے جو جہاد کو حرام قرار دیدے اور انگریزوں کی وفاداری کو عین اسلام ثابت کرے۔ انگریزی استعمار کی یہ ضرورت تھی جسے تحریک قادیانیت نے پورا کر دیا۔" (صفحہ ۸۲)

ا: انگریزی استعمار کی یہ ضرورت تو اُن لوگوں کے ذریعہ بہتر صورت میں پوری ہو چکی تھی جو پرویز صاحب کی طرح سرے سے ہی مہدی کے آنے کے انکاری تھے۔ گویا انہوں نے انگریز سے کہہ دیا تھا کہ تم بانسری کے بجنے سے خطرہ محسوس کرتے ہو تو ہم اس بانسری کو ہی توڑ دیتے ہیں۔ نہ مہدی آئیگا نہ جہاد کا سوال ہوگا۔ سوچئے کہ انگریز کو پھر اس حماقت کی کیا ضرورت تھی کہ ایسے شخص کو کھڑا کرتا جو کسرِ صلیب کے مشن کو لیکر مہدی و مسیح ہونے کا مدعی ہو؟ اے کاش کہ پرویز صاحب کوئی معقول اعتراض کرتے۔

(۸) پ: "دیکھئے کہ آپکو اس عہد کی مجددیت، مہدویت، مسیحیت اور نبوت سے محکومی و مسکنی و نومیدی جاوید کے سوا اور کیا ملا؟" (صفحہ ۸۲۵)

ا: ہمیں تو اس مسیحیت سے زندہ ایمان، زندہ عزائم اور زندہ قوتِ عملیہ ملی ہے۔ اسلام کے غلبۂ تامہ کے بارے میں یقین حاصل ہوا ہے جس کی بناء پر ننھی سی جماعت اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر اسلام کے پھیلانے کے لئے ہر قربانی کر رہی ہے اور مشرق و مغرب میں اسکے جانباز فرزند اس فریضہ کو ادا کر رہے ہیں۔ صاف نظر آتا ہے کہ ایک عظیم روحانی انقلاب کے لئے نئی زمین اور نیا آسمان تیار ہو رہا ہے۔ اگر اس آفتاب کو اندھی آنکھیں اور قنوطیت زدہ دل نہ دیکھ سکیں تو ع چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

بھائیو! پرویز صاحب کا کتنا ظلم ہے کہ وہ اس مقدس انسان کو "نومیدئ جاوید" کا حامل بتلاتے ہیں جس نے اپنی قوم کو زندہ جاوید پیغام دیا ہے کہ:-

"ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نا امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولیگا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

مبحث سوم

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام قرآنی معیار دلائل کی رُو سے

نبی اور مامور کی شناخت کے لئے اُس کے حالاتِ زندگی کو ہم تین حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں (۱) دعویٰ سے پہلے کی زندگی (۲) دعویٰ کے بعد کی زندگی (۳) بعد وفات اسکی جماعت کی حالت۔

جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے ان تینوں حصّوں پر نگاہ کرتے ہیں تو ہم قرآن مجید کے ہر اس معیار کو جو سچوں کی علامت ہے آپ پر منطبق پاتے ہیں اور ہر اس نشانی سے جو جھوٹوں کی شناخت کا معیار ہے آپ کو پاک دیکھتے ہیں۔ مختصراً چند معیار درج ہیں:۔

معیارِ اوّل فرمایا یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (انعام ع۲) وہ لوگ اس نبی کو ویسے ہی شناخت کرتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ یعنی جس طرح بیوی کی پاکدامنی بیٹے کی صحت نسب کی دلیل ہے ویسے ہی مدعیٔ الہام کی پاکیزہ زندگی اسکے دعویٰ کی صحت کی گواہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ (ہود ع۶) حضرت صالحؑ کی قوم نے کہا کہ اے صالح! اس دعویٰ سے پہلے تو ہماری امیدوں کا مرجع تھا۔ گویا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ تیسری جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس ع۲) کہ اے لوگو! میں اس دعویٰ وحی سے پہلے ایک لمبا عرصہ (چالیس برس) تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم عقل نہیں کرتے؟ یعنی دعویٰ سے پہلے کی پاکیزہ زندگی میرے دعویٰ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔ یاد رہے کہ نبی کی زندگی کا ہر لحظہ ہی پاکیزہ ہوتا ہے مگر دعویٰ کے بعد لوگوں میں تعصب بڑھ جاتا ہے اور وہ جھوٹے الزام لگانا شروع کر دیتے ہیں اسلئے مِنْ قَبْلِهٖ کے لفظ میں دعویٰ سے پہلی زندگی کو ہی مخالفین کے سامنے بطور حجت پیش فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اب دیکھو خدا نے اپنی حجت کو تم پر اس طرح پورا کر دیا ہے کہ میرے دعویٰ پر ہزارہا دلائل قائم کر کے تمہیں یہ موقعہ دیا ہے کہ تا تم غور کرو کہ وہ شخص جو تمہیں اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے وہ کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے اور کس قدر دلائل پیش کرتا ہے؟ اور تم کوئی عیب، افترا یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے یہ بھی اس نے

جھوٹ بولا ہو گا۔ کون تم میں ہے جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے؟ پس یہ خدا کا فضل ہے جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صہ ۶۲)

حضور ؑ کی یہ تحدی اپنی ذات میں آپ ؑ کی صداقت کی نہایت زبردست دلیل ہے۔

پھر دشمن تک نے بھی یہی شہادت دی ہے کہ آپ کی زندگی نہایت پاکیزہ تھی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا تھا:۔

(۱) "مؤلف براہین احمدیہ (حضرت مرزا صاحب ؑ) کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب تھے۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۶)

(۲) "یہی جواب ہم الہامات مؤلف براہین احمدیہ کی طرف سے دے سکتے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ شیطان اپنے اُن دوستوں کے پاس آتے ہیں اور ان کو (انگریزی خواہ عربی میں) کچھ پہنچاتے ہیں جو شیطان کی مثل فاسق و بدکار اور جھوٹے دکاندار ہیں۔ اور مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رُو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۹)

(۳) "اس (براہین احمدیہ) کا مؤلف (حضرت مرزا صاحب ؑ) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" (اشاعۃ السنہ جلد ۶ نمبر ۷)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے بعد مخالفت کرتے ہوئے بھی یہی گواہی دی ہے کہ دعویٰ سے پہلے حضرت ؑ کی زندگی ان کی نظروں میں بھی نہایت پاکیزہ تھی اور وہ بھی حضرت سے حسن ظن رکھتے تھے اور زیارت کے شوق سے قادیان گئے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں (براہین احمدیہ تک اور اسکے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک اور براہین سے بعد۔ براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن تھا چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷، ۱۸ سال کی تھی میں بشوقِ زیارت بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان گیا۔" (رسالہ تاریخ مرزا صہ ۵۲)

ایسی اور بھی بیسیوں شہادتیں ہیں۔ پس قرآنی معیار کی رُو سے حضرت مرزا صاحب ؑ کی صداقت ثابت ہے۔

معیار دوم اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ مفتری ناکام ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ (۱) فَمَنْ أَظْلَمُ

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (یونس ع) کہ اس سے کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرے؟ یقیناً ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔ (۲) وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ (المومن ع) مفتری کا جھوٹ اسی پر پڑیگا۔ (۳) لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى (طٰہٰ ع) اے لوگو! اللہ تعالیٰ پر جھوٹ مت باندھو وہ تم کو عذاب سے ہلاک کر دیگا اور مفتری ناکام ہی ہوتا ہے۔"

واقعات شاہد ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ناکام نہیں ہوئے بلکہ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اسلئے آپ یقیناً سچے ہیں۔

معیارِ سوم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں صادقوں کی نصرت کرتا ہوں۔ فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن ع) ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی اس دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ سچ ہے ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو ❊ کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

نصرتِ الٰہی کی صورت کے متعلق فرمایا۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر) یعنی اس مذہب میں لوگوں کا بکثرت داخل ہونا الٰہی نصرت کا ثبوت ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں اسی کی تشریح میں مقبولِ بارگاہِ ایزدی کی علامت يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ (اس کو زمین میں قبولیت دی جاتی ہے) لکھی ہے اور ہرقل والی مشہور حدیث میں اس کا فقرہ "ذَكَرْتَ اَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ وَكَذٰلِكَ اَمْرُ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ" (اے ابوسفیان! تو نے بتایا ہے کہ اس نبی کے متبعین بڑھتے ہیں۔ سچ ہے ایمان کا یہی حال ہوتا ہے یہاں تک کہ مکمل ہو جاوے) بھی اسی نصرتِ الٰہی کی تفسیر ہے۔ (بخاری جلد ۱ صٓ)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ نصرت پورے طور پر حاصل ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اسلئے آپ کی صداقت یقینی ہے۔

معیارِ چہارم

نبیوں کو روحانی اور جسمانی غلبہ دیا جاتا ہے۔ فرمایا كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلہ ع) اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی مقابلہ میں غالب ہوا کریں گے۔ پھر فرمایا اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصافات ع) ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا۔ ہاں روحانی غلبہ تو فی الفور حاصل ہو جاتا ہے لیکن جسمانی غلبہ تدریجاً حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الرعد ع)

کیا یہ کفار نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے آرہے ہیں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں) کیا پھر بھی کفار غالب آئیں گے یعنی یہ غالب نہیں آئیں گے بلکہ آخر ہمارا رسول ہی غالب آئے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے متبعین کے حالات گواہ ہیں کہ آخر کار جسمانی غلبہ بھی ان کو ہی حاصل ہوگا۔

معیارِ پنجم فرمایا۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ہود ع)

کیا لوگ اس کلام کو افتراء قرار دیتے ہیں؟ ان سے کہہ دے کہ تم بھی بطور بناوٹ ایسی دس سورتیں بنالاؤ اور اپنے تمام مددگاروں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔ اگر وہ لوگ اس مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں تو یقین کرلو کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے علم سے نازل ہوا ہے"۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اعجازی کلام بخشا جیسا کہ فصل پنجم میں مفصل گزر چکا ہے۔

معیارِ ششم پیشگوئیوں کا پورا ہونا بھی معیارِ صداقت ہے۔ فرمایا عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ع)۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب پیشگوئیاں پوری ہوئیں لیکھرام کے متعلق۔ سعد اللہ لدھیانوی۔ ڈاکٹر ڈوئی۔ دلیپ سنگھ اور زار روس کے متعلق۔ طاعون کے متعلق۔ جلسہ مہوتسو میں مضمون غالب رہنے کی پیشگوئی وغیرہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

معیارِ ہفتم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ ع) قرآن مجید کے معارف پاک لوگوں پر ہی کھولے جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ دروازہ کھولا اور کسی کو اس میں حضرت سے مقابلہ کی تاب نہ ہوئی جیسا کہ فصل پنجم میں مفصل ذکر ہو چکا ہے پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

معیارِ ہشتم مشکلات اور آفات کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے مرسلوں سے خاص اور غیر معمولی معاملہ کرتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت عام طوفان آیا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور آپ کے ساتھیوں کو خاص رنگ میں کشتی کے ذریعہ بچایا۔ فرمایا فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ

السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (عنکبوت ع) بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بائیبل اور قرآن و احادیث کی پیشگوئیوں کے مطابق طاعون آئی اور اس کی ہلاکت ایک زمانہ پر محیط ہو گئی۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ پر الہام ہوا اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کہ میں ہر اس شخص کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا جو تیری چار دیواری میں ہے۔ یہ وعدہ حیرت انگیز طور پر پورا ہوا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔

معیارِ نہم کسی مفتری کو تئیس سال مہلت نہیں دی جا سکتی جیسا کہ آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ الآیہ (الحاقہ ع) سے ظاہر ہے۔ اور حضرت اقدسؑ کو تئیس سال سے زیادہ عرصہ تک مہلت ملی اسلئے آپ یقیناً راستباز ہیں تفصیل فصل اوّل میں گزر چکی ہے۔

معیارِ دہم سورۂ نور ع کی آیت استخلاف وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے ظاہر ہے کہ صادق انبیاء کے بعد ان کی جماعت ایک محکم نظام میں رہتی ہے اور وہ صحیح معنوں میں "الجماعة" کا مصداق ہوتی ہے۔ ان کا ایک واجب الاطاعت خلیفہ ہوتا ہے۔ اس معیار کے مطابق بھی حضرت اقدسؑ کی صداقت واضح ہے کیونکہ سلسلۂ احمدیہ کی خلافت کا غیر معمولی طور پر جاذبِ نصرتِ الٰہی ہونا اور ان کے خوف کا امن سے بدل جانا دوست و دشمن سب کو مسلّم ہے۔

معیارِ یازدہم آیت اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المؤمن ع) میں مومنوں کی نصرت کا بھی وعدہ ہے۔ اور ساتھ ہی آیت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ (آل عمران ع) میں بتایا گیا ہے کہ مومنوں کی جماعت ایک تبلیغی جماعت ہوا کریگی۔ یہ ہر دو علامتیں بھی جماعت احمدیہ کے شاملِ حال ہیں اسلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منجانب اللہ ہونا ظاہر ہے۔

معیارِ دوازدہم سچے رسول کی ایک علامت یہ بتائی ہے کہ وہ ایک پاکیزہ جماعت قائم کر جاتا ہے جیسا کہ آیت وَيُزَكِّيْهِمْ الخ (الجمعہ ع) سے ظاہر ہے۔ پھر ان مومنوں کی شناخت کا معیار لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یونس ع) قرار دیا یعنی ان پر سلسلۂ الہام جاری ہو جاتا ہے۔ اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں بیسیوں افراد اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے مورد ہیں۔ اور یہ صداقتِ احمدیت کا کھلا ثبوت ہے۔ ناظرین کرام! ہم نے ان معیاروں کے ذکر میں بوجہ مجبوری نہایت اختصار سے کام لیا ہے مگر ع عاقل را اشارہ کافیست" +

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام احادیث نبویہ کی رُو سے

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنیوالے مسیح موعود کے ذکر میں فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ فرما کر اس حقیقت کو بیان فرما دیا کہ اس زمانہ میں عیسائیت اپنے زوروں پر ہوگی۔ خدا کے برگزیدہ کا کام ہوگا کہ دلائل براہین، نشانات اور معجزات سے نہ تیر و تفنگ سے اس صلیبی مذہب کو پاش پاش کرے۔

(۲) وہ امن کا زمانہ ہوگا اور اس کا کام یَضَعُ الْحَرْبَ ہوگا۔ دینی جنگوں کا زمانہ نہ ہوگا۔

یہ دونوں حدیثیں بخاری شریف میں ہیں۔ ان میں مسیح موعود کا زمانہ بعثت اور اس کا کام بتلایا گیا ہے یعنی اُس وقت صلیب عروج پر اور عیسائیت اپنے شباب پر ہوگی مسیح موعود کسر صلیب کرے گا۔ بھائیو! یقیناً یہی وہ زمانہ تھا۔ اسی لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ؎

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہو کر مسیح ✽ خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وَلَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا (مسلم باب نزول عیسیٰ) کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹ چھوڑ دیئے جائیں گے ان سے تیز رفتاری کا کام نہ لیا جائے گا۔ اس سے بھی حضرت مسیح موعود کی صداقت ثابت ہے تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

(۴) مسیح موعود کا زمانہ معیّن کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت وضاحت کیساتھ فرما دیا۔ اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۱ مطبوعہ مجتبائی) کہ دیگر آیات اور مسیح موعود کے ظہور کا وقت بارھویں صدی کے بعد ہے۔ امام ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ اللَّامُ فِی الْمِائَتَیْنِ لِلْعَھْدِ اَیْ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ بَعْدَ الْاَلْفِ وَھُوَ وَقْتُ ظُھُوْرِ الْمَھْدِیِّ وَخُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَ نُزُوْلِ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَتَتَابُعِ الْاٰیَاتِ مِنْ طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِھَا وَخُرُوْجِ دَآبَّۃِ الْاَرْضِ وَظُھُوْرِ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ وَاَمْثَالِھَا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ اَلْمِائَتَیْنِ کا الف لام عہد کا بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث کے یہ معنے ہونگے کہ بارہ سو سال کے بعد یہ نشانات ظہور پذیر ہونگے اور مہدی کے ظہور مسیح موعود کے آنے دابۃ الارض کے نکلنے اور یاجوج و ماجوج وغیرہ کے خروج کا یہی وقت ہوگا۔"

گویا تصریح کے ساتھ بتا دیا گیا کہ مسیح موعود بارہویں صدی کے بعد مبعوث ہونے والا ہے۔

(۵) حدیث نبوی ہے اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (ابوداؤد جلد ۲ کتاب الفتن) کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کیلئے مجدد مبعوث کیا کریگا جو

اس کے دین کی تجدید کیا کریگا" آنحضرت ؐ نے مجدد کیلئے صدی کا سر مقرر فرمایا ہے اور اس چودھویں صدی کے سر پر بحیثیت مجدد اگر کوئی مدعی نظر آتا ہے تو وہ صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ہیں۔

(۶) صحیح بخاری میں ہے لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنْ ھٰؤُلَاءِ (کتاب التفسیر سورۃ جمعہ) کہ اگر ایمان آسمان پر بھی جاچکا ہوگا تو ایک فارسی الاصل مرد اسے واپس لے آئیگا۔ من ھٰؤلاء کا لفظ حضرت رسول مقبول ؐ نے سلمان الفارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا حضرت مسیح موعودؑ کا فارسی الاصل ہونا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی مسلّم تھا۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

(۷) آنیوالے مسیح موعود کا حلیہ بخاری شریف میں پہلے مسیح سے مختلف درج ہے (بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۴۰ کتاب الرؤیا) پہلے مسیح کا رنگ سرخ اور بال گھنگریالے اور مسیح موعود کا رنگ گندمی اور سیدھے بال مذکور ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی حلیہ تھا۔ فرمایا ؎

رنگم چو گندم است و بمو فرق بیّن است ÷ زاں ساکہ آمد است در اخبار سرورم

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَخْرُجُ الْمَھْدِیُّ مِنْ قَرْیَۃٍ یُّقَالُ لَھَا کَدْعَۃُ۔ (جواہر الاسرار للشیخ علی حمزہ الطوسی ۸۴۰ھ) کہ مہدی اس گاؤں میں پیدا ہوگا جسے کدعہ کہا جائے گا" گویا پیشگوئی میں نمایاں طور پر امام مہدی کے مقام ظہور یعنی قادیان کی نشاندہی کر دی گئی۔

(۹) مسیح موعودؑ کی علامت تھی یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰ باب نزول عیسیٰ) کہ وہ شادی کریگا اللہ تعالیٰ اسے اعلیٰ صفات والی اولاد عطا فرمائیگا" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبشر اولاد دیکر اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی صداقت ثابت فرمادی جو ایک عظیم نشان ہے۔

(۱۰) امام مہدی کا احادیث میں یہ خاص نشان مقرر تھا کہ اسکے وقت میں رمضان میں چاند کو گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں، اور سورج کو گرہن کے دنوں میں سے درمیانی دن میں گرہن لگے گا۔ فرمایا اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا اٰیَتَیْنِ لَمْ تَکُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَنْکَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْکَسِفُ الشَّمْسُ فِی النِّصْفِ مِنْہُ (الدارقطنی صفحہ ۱۸۸)

یہ نشان ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء میں ہو چکا پہلے سال کرۂ شرقی میں یہ نشان ظاہر ہوا اور دوسرے سال کرۂ مغربی میں۔ تاسب انسانوں پر حجت تمام ہوجائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں ÷ ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند